بانی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

خدام الدین

ہفت روزہ
لاہور
پاکستان

مجلس التحریر
جانشین حضرت شیخ الاسلام
مولانا مفتی محمود

19
38

صدق خلیل بھی ہے عشق
صبر حسین بھی ہے عشق

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مئے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات
ذکر عرب کے سوز میں فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

علامہ اقبال

[illegible]

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان

جلد نمبر ۔۔ ۱۹
شمارہ نمبر ۔۔ ۳۸

۲ [illegible]
۵ [illegible]

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہروقت اللہ تعالٰے کا ذکر کیا کرتے تھے (اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے)

عَنْ حُذَيْفَةَ وَاَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ: "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَحْيَا وَاَمُوْتُ" وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ" (رواہ البخاری)

حضرت حذیفہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ پڑھتے۔ کہ باسمك اللھم واموت اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں۔ اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ فرماتے۔ الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور۔ تمام تعریفیں ثابت ہیں اس اللہ کے لیے جس نے ہم کو مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (بخاری)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ وہ دونوں بیان کرتے ہیں — کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ کوئی جماعت نہیں بیٹھتی کہ وہ اللہ تعالٰے کا ذکر کرتے ہوں مگر فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت خداوندی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالٰے ان شخصوں کا ان سے ذکر کرتے ہیں جو اس کے پاس ہیں۔ (مسلم)

عَنْ اَبِيْ وَاقِدٍ الْحٰرِثِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهٗ اِذْ اَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَاَقْبَلَ اثْنَانِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاحِدٌ فَوَقَفَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَرَاٰى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيْهَا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَاَمَّا الثَّالِثُ فَاَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَلَا اُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ؟ اَمَّا اَحَدُهُمْ فَاَوٰى اِلَى اللّٰهِ فَاٰوَاهُ اللّٰهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاسْتَحْيٰى فَاسْتَحْيَا اللّٰهُ مِنْهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَعْرَضَ فَاَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ" (متفق علیہ)

حضرت ابو واقد الحارث بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرامؓ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک تین حضرات آئے ان میں سے دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوگئے اور ایک چلا گیا۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے رہے۔ ان دونوں میں سے ایک نے تو حلقہ مجلس میں کچھ کشادگی محسوس کی تو وہ تو اس جگہ پر بیٹھ گیا اور دوسرا شخص حاضرین مجلس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اور تیسرا الٹے پھر کر ادھر سے چل دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس مشغولیت) سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا۔ کیا میں تم کو ان تین حضرات کی کیفیت سے آگاہ کروں۔ ان میں سے ایک نے تو اللہ تعالٰے کی جانب پناہ تلاش کی تو حق تعالٰے نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور دوسرے نے دھکم پیل میں گھسنے میں (شرم محسوس کی) تو حق تعالٰے نے بھی اس کے ساتھ شرم کا معاملہ کیا۔ تیسرے نے اعراض کیا (اور چل دیا) تو اللہ تعالٰے نے بھی اس سے اعراض فرمایا۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ نُرِيْدُ الْمَدِيْنَةَ، فَلَمَّا كُنَّا قَرِيْبًا مِنْ عَزْوَرَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللّٰهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَعَلَهٗ ثَلَاثًا وَقَالَ: "اِنِّيْ سَاَلْتُ رَبِّيْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِيْ فَاَعْطَانِيْ ثُلُثَ اُمَّتِيْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِيْ فَسَاَلْتُ رَبِّيْ لِاُمَّتِيْ فَاَعْطَانِيْ الثُّلُثَ الْاٰخَرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ" (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ارادے سے مکہ سے روانہ ہوئے پس جب عزوراء کے قریب پہنچے تو آپ اترے اور ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالٰے سے کچھ دیر تک دعا فرماتے رہے۔ اس کے بعد آپ سجدہ میں گر گئے اور بہت دیر تک سجدہ میں رہے۔ اس کے بعد اٹھے اور ہاتھ اٹھا کر کچھ دیر تک دعا فرمائی پھر سجدہ میں گر گئے۔ اس طرح تین بار آپ نے کیا۔ اور فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے درخواست کی تھی اور اپنی امت کی سفارش کی تو اللہ تعالٰے نے مجھ کو میری تہائی امت دے دی۔ تو میں نے اللہ کے شکر کے لیے سجدہ کیا۔ پھر سر اٹھایا اور اپنی امت کے لیے درخواست کی تو اللہ تعالٰے نے ایک تہائی مجھے اور دے دی۔ تو میں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ میں نے پھر سر اٹھایا اور اپنی امت کے لیے درخواست کی تو اللہ تعالٰے نے باقی تہائی بھی مجھ کو دے دی۔ اس پر بھی میں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ (ابوداؤد)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ حَتّٰى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ فَقُلْتُ لَهٗ: لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ؟ قَالَ: اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا (متفق علیہ) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ نَحْوُهٗ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں اس قدر کھڑے ہوتے کہ آپ کے دونوں پاؤں پھٹ گئے تھے۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالٰی نے آپ کی اگلی اور پچھلی لغزشیں سب ہی معاف کر دی ہیں — فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں (بخاری ومسلم) اور مغیرہ سے بھی یہی مضمون مروی ہے (بخاری ومسلم)

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهٗ وَفَاطِمَةَ لَيْلًا فَقَالَ: "اَلَا تُصَلِّيَانِ؟" (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ان کے اور حضرت فاطمہ کے پاس رات کو تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم تہجد کی نماز نہیں پڑھتے؟ (بخاری ومسلم)

⁂

خدام الدین

فون ۶۷۵۳۵

۲۲ محرم الحرام ۱۳۹۴ھ
۱۵ فروری ۱۹۷۴ء

جلد ۱۹ شمارہ ۳۸

مندرجات

- احادیث الرسولؐ
- اداریہ
- ارشادات حضرت لاہوریؒ
- خطبہ جمعہ
- حضرت عمرؓ کا خطبہ
- بصائر و عبر
- اسلام اور اشتراکیت
- سیدنا عثمان غنیؓ جلیل القدر صحابی
- مولانا روم اور اسلامی تعلیمات
- بچوں کا صفحہ

★

بدلِ اشتراک

سالانہ ——— ۱۸ روپے
ششماہی ——— ۱۰ روپے
سہ ماہی ——— ۵ روپے
فی شمارہ ——— ۴۰ پیسے

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

ملکی سالمیت ربوائی سازشوں کی زد میں

مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود

لائل پور کے مشہور ہفت روزہ لولاک کی ۲۵، جنوری کی اشاعت میں یہ خبر چھپی ہے کہ مرزائیوں کے سالانہ جلسہ (اواخر دسمبر ۷۳ء) کے موقعہ پر مرزائی سربراہ مرزا ناصر احمد کو ایئر فورس کے جہازوں نے سلامی دی ——— ظاہر ہے کہ یہ خبر انتہائی تشویشناک ہے اور ملک میں مرزائی اقتدار کا جو خطرہ ایک عرصہ سے بری طرح محسوس کیا جا رہا ہے اس کی شدت میں اضافہ کرنے کا موجب ہے ——— اب یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ مرزائی جماعت ایک سیاسی ٹولہ ہے جس کو عالمی سامراج کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے اور یہ ٹولہ اپنے بیرونی آقاؤں کے اشارہ پر وطن عزیز کی سالمیت کے خلاف سرگرم عمل ہے۔

اصل میں پاکستان بننے کے بعد ہی اس طرح کے خطرات سامنے آنے شروع ہو گئے تھے اور مرزائیوں کے اس وقت کے سربراہ آنجہانی بشیر الدین محمود نے ۵۲ء کو اپنا سال قرار دیکر اپنے عزائم کا اعلان کر دیا تھا لیکن ۵۳ء کی مشہور زمانہ تحریک ختم نبوت کے دوران مسلم جوانوں کی جرأتمندانہ قربانیوں کے پیش نظر یہ خواب اس وقت شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

اگر اسوقت کی لیگی حکومت عوام کے مطالبات تسلیم کر لیتی تو آج ہمارا یہ حال نہ ہوتا لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ان نام نہاد مسلم سربراہوں نے جس شرمناک طریقہ سے اس تحریک کو دبا کر حقائق کو چھپانے کی کوشش کی اس کے نتیجہ میں مرزائی جماعت کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اور اس نے بشیر الدین محمود کی ہدایات و منصوبہ بندی کے تحت مختلف شعبہ جات میں گھسنا شروع کر دیا، اور اس معاملہ میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور آج کل بدقسمتی سے مختلف شعبہ جات میں اہم ترین کلیدی آسامیوں پر وہ براجمان ہیں ——— پاکستان ایئر فورس بھی انہی شعبہ جات میں سے ہے، جس کے اندر نہ صرف خاصی تعداد میں اس فرقہ کے لوگ موجود ہیں بلکہ اس کا سربراہ تک مرزائی ہے ——— اس نے یا اس کے کسی ماتحت نے اگر اپنے جماعتی جذبات سے مغلوب ہو کر یہ حرکت کی ہے تو یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے اور حکومت و عوام کو اس کا سختی سے نوٹس لینے کی ضرورت ہے آج شام کے اجلاس قومی اسمبلی میں سپیکر نے اس موضوع پر میری تحریکِ التواء کو پڑھے بغیر "مفاد عامہ" کے بہانے مسترد کر دیا جبکہ میرے علاوہ نورانی میاں، محمود علی قصوری، احمد رضا قصوری، عبدالحمید جتوئی اور میر علی احمد تالپور نے بھی بہت کوشش کی کہ تحریک التواء زیر بحث آ سکے، بلکہ تحریک استقلال کے ممبر میاں محمود علی قصوری نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس واقعہ سے پورے پنجاب میں آگ لگی ہوئی ہے۔ لیکن وزیر بے محکمہ خورشید حسن میر جو آزاد کشمیر کے بحران کے دور سے مرزائیت نوازی سے متہم ہیں نے وزیر مملکت برائے امور خارجہ و دفاع عزیز احمد کی نیابت کرتے ہوئے پڑھے بغیر تحریک کو مسترد کرنے کی درخواست کی اور اسے "مفاد عامہ" کی ضرورت قرار دیا، جبکہ میں اس واقعہ کو افواج پاکستان کی توہین اور ملکی سالمیت کے خلاف ایک سازش سمجھتے ہوئے زیر بحث لانا چاہتا تھا۔

یہ تو ہوا کہ آئینی پیچیدگیوں کا سہارا لے کر میری تحریک کو مسترد کر دیا گیا لیکن خورشید حسن میر صاحب کو یہ یقین دہانی کرانی پڑی کہ ہم نے مکمل تحقیق کر لی ہے، یہ واقعہ غلط ہے ایسا بالکل نہیں ہوا، چونکہ میر صاحب نے بار بار کہا کہ تحقیق ہو چکی ہے اور واقعہ غلط ہے اس لئے میں نے بھی اصرار نہ کیا ———

تاہم خورشید حسن میر کی جوابی تقریر کا یہ جملہ بہرحال گہری سوچ کا مستحق ہے کہ چونکہ سرگودھا سے ربوہ نزدیک ہے اس لئے ممکن ہے کہ جہازوں نے اس پر پرواز کی ہو۔ اور کسی ضرورت کے پیش نظر

گاہے گاہے باز خواں.....

ارشادات حضرت شیخ التفسیرؒ

روحانی امراض سے شفایابی کا اندازہ اپنے متعلق ہر شخص خود کر سکتا ہے

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

اما بعد:۔ عرض یہ ہے کہ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں۔ یہ اجتماع دراصل ان احباب کا ہے جن کو یہ شوق ہے کہ وہ امراض روحانی سے شفایاب ہو کر اس دنیا سے جائیں۔ جسمانی بیماریوں کا علاج کافر و مشرک سبھی کرتے ہیں لیکن روحانی بیماریوں کا علاج وہی لوگ کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سمجھ دی اور جن کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا متبع بنا لے۔ سب سے پہلے روحانی امراض کا احساس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہوا اور سب سے پہلے ان امراض سے شفایابی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کا نتیجہ تھی۔ خوش نصیب ہیں وہ انسان جن کو یہ نعمت نصیب ہوئی اور حضورؐ سے تعلق خاطر کی بنا پر روحانی بیماریوں کا احساس اور ان سے شفایاب ہو کر اس دنیا سے جانے کا شوق پیدا ہوا۔ ورنہ یہ روحانی امراض جن کو قرآن و حدیث میں بار بار بیان کیا گیا ہے شرک، کفر، حسد، کبر، نفاق، غیبت، عجب، بغض، حب جاہ و مال وغیرہ۔ اگر ان روحانی و اخلاقی بیماریوں سے شفایاب ہو کر اس دنیا سے نہ گئے تو یاد رکھئے پھر یہ بیماریاں قبر میں بھی ساتھ جائیں گی۔ اور قیامت تک تڑپائیں گی۔ اور حشر میں بھی جس کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے وہاں بھی ساتھ جائیں گی، پھر جہنم کی بھٹی میں پڑ کر جب ان امراض روحانی سے شفا ہو گی تب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں لائے جائیں گے لیکن میرے بھائیو، یاد رکھو ان بیماریوں کے مریض کو ایک دفعہ جہنم میں جانا ضرور پڑے گا۔ اس کے برعکس جسمانی امراض مہلکہ جیسے سل، دق وغیرہ کی میعاد زیادہ سے زیادہ اس زندگی تک ہے۔ ادھر موت آئی ادھر مرض سے ساتھ ہی نجات مل گئی۔ مگر کسے خبر ہے کہ قبر میں دو ہزار برس سوتا ہے یا دس ہزار برس سوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان روحانی امراض سے شفایاب ہو کر ہی اس دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے خدا گواہ ہے کہ میں اپنے آپ کو آپ سے زیادہ نیک و پارسا نہیں سمجھتا۔ میں آپ سب سے زیادہ سیاہ کار ہوں۔ یہ میرا فرض منصبی ہے کہ ان روحانی امراض کی ہلاکت خیزی سے میں آپ کو مطلع کر دوں تاکہ ہم غافلوں کی طرح نہ بیٹھیں بلکہ مقصدِ زندگی کو پہچان کر زندگی بسر کریں اور یہ جاننے کی سعی کریں کہ ابھی امراض روحانی سے شفا حاصل ہوئی ہے یا نہیں چنانچہ اس کا اندازہ ہر شخص خود کر سکتا ہے۔ بے شک اصل کیفیت ماہر طبیب یا روحانی ڈاکٹر ہی بتا سکتا ہے لیکن جیسے بدنی امراض کو انسان خود بھی محسوس کرتا ہے کہ پہلے نیند آتی تھی، بھوک نہیں لگتی تھی۔ اب نیند خوب آتی ہے پہلے طبیعت گری گری رہتی تھی اب ہشاش بشاش ہے اور پہلے بخار کتنا تھا اب کتنا ہے جس طرح ظاہری امراض ہیں۔ انسان خود اندازہ لگا لیتا ہے بالکل ایسے ہی باطنی امراض کا حال سمجھئے۔ اصل تشخیص تو کامل کرتا ہے جیسے ڈاکٹر آلہ لگا کر اور طبیب نبض دیکھ کر حال معلوم کرتا ہے اسی طرح کامل توجہ سے حقیقت حال معلوم کرتا ہے اور مریض خود بھی محسوس کرتا ہے کہ امراض روحانی سے شفا حاصل ہوئی ہے یا نہیں۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومن کے سینہ میں نور پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی اس کی پہچان کیا ہے۔ آپ نے اس نور کی تین علامتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی علامت — اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ۔ یعنی دھوکے کے گھر دنیا سے طبیعت اچاٹ ہو جائے۔ اس نور کی برکت سے انسان کی طبیعت دنیا سے بالکل اچاٹ ہو جاتی ہے پہلے دوستوں اور یاروں کی مجلس میں خوب لطف آتا تھا۔ ہر وقت ان کے ہاں آنا جانا اور چلنا پھرنا رہتا تھا مگر اب اس کی جگہ یاد الٰہی میں زیادہ مزہ آتا ہے بلکہ انسانوں سے قطع تعلق کرنے کو جی چاہتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نجات کا نسخہ پوچھا گیا آپ نے ارشاد فرمایا۔ اَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ۔ زبان کو قابو میں رکھو۔ انسان کو کھیلوں اور تماشوں میں مزا آتا ہے میں اکثر لاہور میں دیکھتا ہوں۔ لوگ صبح نہا دھو کر بن سنور کر فونٹن پن لگا کر دفتر چلے گئے واپس آئے تو کھیل تماشوں میں لگ گئے نہ نماز کی فکر نہ آخرت کا ڈر۔ رات کو کھانا کھا کر بازاروں اور محلوں میں بیٹھ کر ڈسکس شروع کر دی کہ جی آج فلاں اخبار نے یہ لکھا ہے اور فلاں لیڈر نے یہ کہا ہے۔ یہ شیطان نے انسان کو گمراہ کر رکھا ہے۔ اللہ کے بندو! تمہیں اس بک بک سے کیا فائدہ۔ شیطان اللعین نے کسی کو سینما بینی کا شوق لگا دیا تو کسی کو مجلس آرائی اور بک بک کرنے کا۔ اللہ کے بندو یاد رکھو جب قبر میں جاؤ گے تب پتہ چلے گا۔ یہ دوست، یار، کھیل، تماشے اور لغو مجلسیں سب یہیں رہ جائیں گی۔ وہاں ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اسی واسطے اللہ والے فرماتے ہیں کہ غافلوں کی مجلس میں بیٹھنے کی بجائے تنہا بیٹھنا بہتر اور تنہا بیٹھنے کی بجائے اللہ والوں کے ساتھ بیٹھنا بہتر۔ آپ میں کئی لوگ ایسے ہوں گے کہ جب تک خدا کے دروازہ پہ نہیں آئے تھے ایک رات کا سینما بھی قضا نہیں ہونے پایا تھا مگر اب اس کا کبھی خیال تک نہیں آتا۔ بلکہ نماز، روزہ، ذکر، اشتغال و اوراد اور تلاوت قرآن میں وہ مزہ آتا ہے کہ کبھی قضا ہونے نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت اور اپنے دروازے پہ آنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

اسی نور کی دوسری علامت ہے۔ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ۔ اور ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا یعنی اس دنیا سے طبیعت ہٹ کر آخرت کی طرف متوجہ ہونے لگے جانور کسی دوسری طرف جانا چاہتا ہے۔ مگر مالک اس کو کسی دوسری طرف کھینچتا ہے۔ اسی طرح نفس انسان کو دنیا ہی کی طرف کھینچتا ہے مگر اس نور کی برکت سے اس کا دل دنیا سے بچنا چاہتا ہے۔

اس نور کی تیسری علامت یہ ہے:۔ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ اور موت آنے سے پہلے موت کے لیے تیاری یعنی سفر آخرت کے لیے انسان ہر وقت پا برکاب رہے۔ اس جہان کے لیے جہاں سدا رہنا ہے۔ جیسے حاجی سفر حج پر جانے سے پہلے مکمل تیاری کرتا ہے۔ روپیہ جمع کرتا ہے۔ کپڑے سلواتا ہے زاد راہ مہیا ہو جانے کے بعد حج بنک آفس میں درخواست دیتا ہے پھر ہر صبح و شام حج پر جانے کے لیے اجازت سفر کا منتظر رہتا ہے ایسے ہی موت سے پہلے موت کے لیے مکمل تیاری رکھنا اس نور کے دل میں پیدا ہونے کی علامت ہے کیونکہ موت کے وقت کا کسی کو پتہ نہیں۔ گھر سے دفتر کے لیے نکلے تھے راستہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا بجائے شام کو گھر آنے کے اسی وقت

بقیہ: اداریہ

— جہازوں نے "ڈائی" ماری ہو۔ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ آخر اسی موقعہ پر جہازوں کی پرواز ضروری تھی۔ اور اگر ایسا ہی ہے تو مرزائی سربراہ مرزا ناصر احمد چند منٹ کیوں خاموش کھڑے رہے اور عین پرواز کے دوران "مرزا غلام احمد کی جے" کے نعرے کیوں لگے — میں وزیر بے محکمہ کی یقین دہانی تسلیم کر لیتا ہوں، تاہم یہ بات کہے بغیر نہیں رہوں گا کہ مرزائی جماعت ایک سازشی جماعت ہے اور اس کے دامن پر اس سے پہلے اس قسم کے بدنما داغ موجود ہیں جن میں سے ایک فرقان فورس کے ٹوٹنے کے وقت "اسلحہ" کی خرد برد ہے۔

اس لئے حکومت کو اس معاملہ میں مکمل احتیاط برتنی چاہئے۔ اگر خدانخواستہ کسی وقت اس قسم کا حادثہ ہوا تو نتیجہ عبرتناک ہوگا۔

اس واقعہ پر میری دوسری تحریک التوائے کے جواب میں وزیر بے محکمہ نے یقین دہانی کرائی کہ اسلامک کانفرنس کے سلسلہ میں جن ہوٹلوں کو ٹھیکہ دینے کی فہرست حکومت کے پیش نظر ہے اس میں مرزائی ہوٹل "شیزان" کا سرے سے نام ہی نہیں امید ہے کہ وزیر بے محکمہ کی اس یقین دہانی کے بعد حکومت اس معاملہ میں احتیاط برتتے ہوئے مسلم سربراہوں کے مذہبی جذبات کے احترام کا مکمل خیال رکھے گی اور کسی ایسے ادارہ یا فرد کو ان انتظامات سے دور دور رکھے گی جو ملت کے بنیادی عقائد و مقاصد سے مختلف نظریہ رکھتے ہیں۔

خطبہ جمعہ

یکم فروری ۱۹۷۴ء

مرتبہ
عبدالرشید انصاری

اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جان کی بازی لگا دینا مومن کی سب سے بڑی آرزو ہوا کرتی ہے

طاغوتی قوتیں اہل حق کا راستہ روکنے میں ہمیشہ ناکام رہی ہیں

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ؕ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ ؕ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ ○

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انھیں مرا ہوا نہ کہا کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِينَ ۙ

اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور ان کے نقصانوں سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ ۙ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ (البقرہ)

وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے ہیں اور ہم اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی، ناموس اسلام کے تحفظ اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جان تک کی بازی لگا دینا ایک سچے مومن کی سب سے بڑی خواہش اور زندگی کی بہترین آرزو ہوا کرتی ہے۔ راہ حق میں پریشانیوں اور مصائب و مشکلات کی آندھیاں شوق مومن کے لیے بلند سے بلند تر فضاؤں میں پرواز کا سامان بن جایا کرتی ہیں۔ مخالف طوفانوں کی تندی و تیزی راہروان حق و صداقت کو آج تک کسی بھی موڑ پہ نہیں روک سکیں۔ علامہ اقبال ؒ نے مومن کو عقاب کا خطاب دے کر کہا تھا ؎

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

شوق و یقین کی یہی وہ بلند پروازی تھی جو نواسہ رسول نوجوانانِ بہشت کے سردار امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لخت جگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ سے مکہ اور مکہ سے شہادت گہ کربلا تک لے آئی۔ راستے میں دوستوں اور خیرخواہوں نے مصلحت اور رخصت کے تمام زاویے حضرت حسین رضؓ کے سامنے پیش کیے کہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار فرما کر اس سفر کا ارادہ ترک فرما دیجئے۔ لیکن وہاں دین اسلام اور حق و صداقت کا ایسا نازک معاملہ درپیش تھا کہ جس میں مصلحت کوشی کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ عہد صدیقی کے وہ واقعات حضرت امام حسین رضؓ کے سامنے تھے جب مدعیان نبوت کاذبہ اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد بالسیف کیا گیا اور جانشین پیغمبر خلیفہ راشد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی زکوٰۃ کی ایک رسی دینے سے بھی منکر ہوگا تو میں اس سے بھی جہاد کروں گا خواہ مجھے اکیلے ہی لڑنا پڑے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ اس وقت اگر دین کے بارے میں تھوڑی سی بھی نرمی اختیار فرما لیتے اور احکام الٰہی پر لوگوں کی رائے اور خواہشات کا زیادہ احترام کرتے تو آج تک دنیا میں دین اسلام کا نام تک بدل دیا گیا ہوتا۔ کیونکہ اپنے اصولوں کو تبدیل کر دینے والی اقوام و ملل زیادہ دیر تک اپنا وجود اور اپنا دین باقی رکھنے کی صلاحیتوں سے تہی دامن ہو جایا کرتی ہیں۔

جس طرح جانشین رسول حضرت ابوبکر رضؓ نے عوام کو خوش کرنے کے لیے دین کے کسی اصول کی قربانی برداشت نہیں کی تھی نواسہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح دینی اصولوں کا تحفظ کرنے، سچی بات کہنے اور دنیا پرستوں کی تائید نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور تادمِ آخر اس پر قائم رہے یزیدی فوجوں کی تلواروں نے اگرچہ سرزمین کربلا کو خانوادۂ رسول ؐ کے بے گناہ خون سے رنگ دیا تھا تاہم وہ وفاشعار حق پرستوں کی گردنیں ناانصافی اور ظلم و استبداد کے سامنے جھکا لینے میں ہمیشہ کی طرح ناکام رہیں۔

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرِ میدان مگر جھکی تو نہیں

پس یہی وہ سبق ہے جو شہادت امام مظلوم امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت سیدنا حضرت امام حسین اور دوسرے شہدائے اسلام نے امت مسلمہ کو دیا ہے مگر صد افسوس کہ اس معرکہ کربلا میں امت کے لیے جو نصیحت پائی جاتی ہے اسے سمجھنے اور پا لینے کے بجائے آج رسومات اور غیر حقیقی تخیلات و توہمات کا راج ہے۔

بلاشبہ حضرت امام حسین سید الشہداء اور سید الشباب اہل الجنۃ ہیں جنہوں نے ناموس اسلام کے تحفظ اور حق کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مگر یزید کی اس قوت و جبروت کے سامنے نہ جھکے۔ جسے آپ ناجائز اور امت پر ظلم و زیادتی سمجھتے تھے وہ اپنے چند جاں نثاروں کی معیت میں یزیدی فوج کے مقابلے میں بنیان مرصوص بن گئے حق اور باطل کی معرکہ آرائی ازل سے جاری ہے اور تاقیام قیامت جاری رہے گی۔ جس طرح دنیا میں نیکی اور بدی، خیر اور شر، دن اور رات، لازم و ملزوم ہیں اور بدی یا شر کو لوگوں میں بے پناہ مقبول ہوتے ہوئے بھی نیکی اور خیر کا وجود مٹا دینے کی ہمت نہیں ایسے ہی طاغوتی قوتیں اپنی تمام تر عیاریاں، مکاریاں اور ریشہ دوانیاں بروئے کار لا کر بھی حق کو مٹا نہیں سکتیں حق اور باطل میں معرکہ آرائی جاری رہے گی۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ان معرکہ آرائیوں میں اہل حق ہمیشہ نتائج سے بے پروا ہو کر باطل سے نبرد آزما ہوتے رہے ہیں۔ مال و جائیداد اعزہ و اقارب ملک و سلطنت کی قربانی ان کے حوصلوں اور عزائم کو جلا بخشتی ہے شوق و عشق محبوب حقیقی ان منازل اور امتحان گاہوں سے جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے ان کا جذبۂ قربانی توں توں پھلتا پھولتا رہتا ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ
وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

کے بعد وَبَشِّرِ الصّٰبِرِينَ کی لافانی اور سچی نوید ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں قربان گاہوں میں لے جاتی ہے جب وہ راہ حق میں جان تک بازی لگا دیتے ہیں پھر بھی یہی کہتے ہیں ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ان مقبول اور برگزیدہ بندوں کی پیروی کی توفیق بخشے اور ان کی حیات آفریں تعلیمات کو مسخ کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

ارشاد حضرت تھانوی ؒ

● ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل مال کو مال پہ اور اہل جاہ کو جاہ پہ ناز ہوتا ہے — حضرت امام غزالی ؒ نے تو جاہ کا نام کمال وہمی رکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا کسی کے متعلق وہم اور خیال ہو گیا کہ یہ صاحب کمال ہے۔ بس اس کا نام جاہ ہے۔ یہ جاہ محض دوسروں کے وہم اور خیال پہ مبنی ہے۔ ذرا ان کا خیال بدلا اور پھر کچھ بھی نہیں۔ بخلاف بزرگان دین کی جاہ کے کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے کو مٹایا مگر بڑھتے چلے گئے۔

بصائر وعبر

محدث اعظم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری

بدقسمتی سے ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ ہر نیا آفتاب ایک نئی آفت لے کر طلوع ہوتا ہے اور ہر رات فتنہ و فساد اور ظلم و عدوان کی نئی تاریکی چھوڑ کر جاتی ہے، دن بدن انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں، دینی شعائر مٹ رہے ہیں، دل و دماغ مسخ ہو رہے ہیں۔ جہل و عناد کی اس تاریک فضا میں دینی حقائق کو اجاگر کرنا اور دین کی بالکل واضح، بدیہی اور موٹی موٹی باتوں کا سمجھانا بھی بے حد مشکل ہو چکا ہے۔ جب بدی نیکی کا روپ دھار لے، جب صریح منکر کو "معروف" کا نام دیا جائے، جب سراپا جہل کو علم سمجھا جانے لگے، اور جب بے حیائی اور بے حمیتی کو شرافت و اخلاق کی سند مل جائے تو کون سمجھا سکتا ہے کہ یہ بات جسے تم دین سمجھ رہے ہو بے دینی ہے۔ اور جسے تم شرافت و وقار سمجھتے ہو، وہ ننگ انسانیت ہے۔ یوں تو دنیا میں حق و باطل کو گڈمڈ کرنے کی رسم بہت قدیم زمانے سے چلی آتی ہے۔ اور حقائق اکثر ملتبس رہتے ہیں لیکن اب تو عقلوں پہ ایسا پردہ پڑا ہے کہ کسی صحیح بات کا انکشاف ہی نہیں ہوتا، بلکہ باطل محض کو حق کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے، شعائر کفر کو اسلامی شان و شوکت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، فسق و فواحش کو تقوے خیال کیا جاتا ہے آج اتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین اور دین اسلام کی تذلیل ہوتی ہے مگر بدفہمی کا یہ عالم ہے کہ انہی کو دین اسلام کے احترام کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، جن چیزوں کو کل تک اعدائے اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و نفرت کے اظہار کے لیے استعمال کرتے تھے آج انہی چیزوں کو اسلام کے نادان دوست اسلام سے عقیدت کا مظاہرہ کرنے کے لیے اپناتے ہیں۔ ذہن و قلب کے مسخ ہو جانے کا قبیح منظر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟

دراصل جب کسی قوم کے اندر سے دین کی حقیقی روح نکل جاتی ہے اور صرف نمائشی ڈراموں پر اس کا دار و مدار رہ جاتا ہے تو گھٹیا قسم کے پست اور سطحی مظاہر اس کے فکر و عمل کا محور بن جاتے ہیں۔ لایعنی حرکات کو حقیقی دین سمجھا جاتا ہے۔ فواحش و منکرات کو دینی قدروں کا نام دیا جاتا ہے۔ سنت کی جگہ من گھڑت بدعات سے تسکین حاصل کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ مسلمانوں کا ظاہر و باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت سے سرشار ہوتا۔ قدم قدم پہ آپ کی پیروی ہوتی۔ آپ کے ایک ایک طریقے کو اپنانے کا ولولہ ہوتا۔ صورت اور سیرت اور ظاہر و باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی جھلک نظر آتی، آپ کی ایک ایک سنت کو زندہ کرنے اور ایک ایک حکم کو ہر شعبۂ زندگی میں نافذ کرنے کی تڑپ ہوتی۔ لیکن جب قلوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت سے خالی ہو گئے، ایمان و یقین کے چراغ دلوں سے گل ہو گئے، آپ کے اخلاق و اعمال کی پیروی کا جذبہ یکسر ختم ہو کر رہ گیا تو محبت رسول کے صحیح تقاضوں کی جگہ سطحی مظاہر کو عین دین و ایمان سمجھ لیا گیا۔ توہین و تذلیل کو اکرام و احترام اور دشمنی و عداوت کو اظہار محبت تصور کر لیا گیا۔ واحسرتاہ

کسی قوم کی دینی حس کے ماؤف ہو جانے کا جو نقشہ اوپر پیش کیا گیا۔ اس کا سب سے پہلا مظاہرہ عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں ہمیں ملتا ہے۔ جب وہ اپنی بدبختی سے اپنے نبی کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر بیٹھے تو انہیں دین کے مردہ ڈھانچے کو محفوظ رکھنے کے لیے نمائشی تصویروں کا سہارا لینا پڑا۔ چنانچہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ، حضرت مریمؑ اور دیگر اکابر کی فرضی تصویریں بنائی گئیں۔ اور ان کی پرستش کو جزو دین و ایمان بنا لیا گیا۔ بعد ازاں اس محرف مسیحیت کی ترویج و اشاعت کے لیے مصنوعی ڈرامے تیار کیے گئے اور ان کی فلموں کی نمائش کی گئی۔ مصر کے چند اشخاص نے سوچا کہ ہم عیسائیوں کی نقالی میں کیوں پیچھے رہیں۔ انہوں نے اس کے مقابلہ میں جامع ازہر کی مجلس اعلیٰ کے بعض ارکان کی سرپرستی میں "فجر اسلام" کے نام سے ایک فلم تیار کی اور عرب اسلامی ممالک میں اس کا خوب چرچا ہوا۔ بیس بائیس ممالک میں اس کی نمائش ہو رہی ہے۔ اور اب وہ سرزمین پاک کو ناپاک کرنے کے لیے کراچی پہنچ گئی ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ اس کی ایسی تشہیر کی گئی گویا مسلمانوں کو تجدید ایمان کے اہم ذریعہ کا انکشاف ہوا ہے۔ اخبارات کے مطابق یہاں کے بعض نام نہاد علمائے دین نے بھی اس کی "شرعی منظوری" دے دی ہے۔ اور اب فرزندان اسلام اسکرین کے پردے پر "اسلام کا تماشا" دیکھنے کے لیے جوق در جوق تشریف لا رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بسے نادیدنی را دیدہ ام من
مرا اے کاشکے مادر نزادے

کون نہیں جانتا کہ اسلام کی نظر میں تصویر سازی نہ صرف قبیح اور حرام ہے بلکہ لعنت اور غضب خداوندی کی مستوجب ہے۔ تصویر بنانے والے کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ المصورون اشد الناس عذابا یوم القیامۃ۔ یعنی وہ قیامت کے دن سب سے سخت تر اور بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ جس مکان میں تصویریں ہوں اس پر خدا کی لعنت آتی ہے۔ فرشتوں کو تصویروں سے بھی اسی طرح نفرت ہے جس طرح کتے سے نفرت ہے۔ کیا ان وعیدوں کے ہوتے ہوئے کسی فلم کو جائز کہا جا سکتا ہے؟ کیا فلموں کی ترویج و تشہیر پوری قوم پر خدا کے غضب و لعنت کو دعوت دینے کے مترادف نہیں؟

پھر اس سے بڑھ کر جسارت کیا ہو سکتی ہے کہ عہد نبوت اور عہد اسلام کی پاک اور روحانی زندگیوں کو تصویروں کے ذریعے فلمایا جائے؟ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت قرار دیا ہو۔ آپ کے پاکیزہ دور کو اس لعنت میں ملوث کیا جائے؟ کیا اللہ و رسول کے نزدیک یہ ناپاک جسارت قابل برداشت ہو سکتی ہے؟ کیا مسلمانوں میں اتنی ایمانی حس بھی باقی نہیں رہی کہ وہ کم از کم نبوت کے پاکیزہ دور کو اس نجاست سے تو محفوظ رکھتے؟

مزید برآں یہ کہ یہاں صورت یہ نہیں کہ جو واقعات پیش آئے ہو بہو انہی کا عکس لے لیا گیا ہو۔ بلکہ یہاں جو صحیح صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ دور نبوت کے واقعات کا مصنوعی سوانگ بنایا گیا ہے۔ کچھ بہروپیوں نے خاکم بدہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پارٹ ادا کیا، کسی نے صحابہ و صحابیات کے مقدس اشخاص کا، کسی نے ابوجہل و ابولہب وغیرہ کافروں کا۔ پھر ان مصنوعی ڈراموں کی عکس بندی کر کے فلم تیار کی گئی اور اسے پردۂ اسکرین پر لایا گیا۔ اب اگر کسی مسلمان میں ایمان کی کوئی رمق اور غیرت کی ادنیٰ حس موجود ہو کیا وہ ایک لمحہ کے لیے برداشت کرے گا کہ وہ لوگ جن کا وجود ہی گندگی اور بے حیائی کا نشان ہے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے مقدس صحابہ و صحابیات کی شبیہ بنا کر پیش کیا جائے اور ان کے ادا کردہ پارٹ کو ان مقدس ہستیوں سے منسوب کیا جائے؟ اس سے بڑھ کر ان حضرات کی تذلیل و توہین کیا ہو سکتی ہے پھر جن لوگوں نے ابوجہل و ابولہب وغیرہ کافروں کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کی کافرانہ حرکات کی نقل کی ہو گی اور صحابہ و صحابیات کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہو گا کیا وہ مسلمان بھی رہیں گے؟ اور ان کے وہ تماشائی جو اس تماشۂ کفر کو دیکھ کر تفریح طبع کا سامان کرتے ہیں ان کا اسلام محفوظ رہ جائے گا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان ڈراموں میں بہت سی حرکات و سکنات اور بہت سے الفاظ و کلمات ایسے آئیں گے جن کو حقیقت کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہو گا۔ اس صورت میں ان مصنوعی واقعات کو حقیقی قرار دینا بدترین قسم کا جھوٹ اور افتراء ہو گا۔ جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار۔ کہ جس نے مجھ پہ قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنائے۔

امریکی اور مغربی اخبارات و رسائل میں جب کبھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصاویر شائع ہوتی ہیں آئے دن ہمارے اخبارات میں ان پر احتجاج ہوتا رہتا ہے اور مسلمانوں میں ایک کہرام مچ جاتا ہے کیا اس قسم کی فلموں کے بعد مسلمانوں میں یہ حمیت باقی رہے گی کہ وہ اعدائے اسلام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں؟ جب مسلمان خود دورِ نبوت کی فلمیں بنانے سے نہیں شرماتے تو وہ کس منہ سے غیروں کو روکنے کی جرأت کریں گے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ عرصہ بعد اعدائے اسلام نہ صرف ان مقدس ہستیوں کی فرضی تصویریں کھلے بندوں شائع کرنے لگیں گے بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ پر محض فرضی فلمیں وجود میں آنا شروع ہوں گی اور جس طرح اب تک مستشرقین آپ کی سیرتِ طیبہ کو غلط رنگ میں پیش کرنے کی جسارت کرتے رہے ہیں آئندہ نہایت گھناؤنے انداز میں آپ کو پردۂ فلم پر دکھایا جائیگا۔ اور یہ نام نہاد مسلمان جنہوں نے خود اس بدعت کو جنم دیا، ان کفار کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اب تک کافر قومیں صرف مسلمانوں کے احترام میں اس سے ہچکچاتی رہی ہیں۔ مسلمانوں کو شرم آنی چاہیے کہ جو کام کافر قومیں سرانجام نہیں دے سکیں۔ اس مکروہ اور گندے کام کا آغاز خود ان کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ کیا لہو و لعب اور تفریح و تماشے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ کی ذاتِ گرامی ہی رہ گئی تھی؟ کیا کوئی دیوث اور بے غیرت شخص بھی یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اس کے ماں باپ اور بہو بیٹیوں کا سوانگ بھرا جائے اور لوگ اس کا تماشہ دیکھیں؟ پھر آخر اس مشقِ ستم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و صحابیات کی ذواتِ قدسیہ ہی کو کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ کیا ان کا احترام ہماری ماؤں بہنوں سے بھی کم ہے؟ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتار کر ہنسی مذاق کیا کرتے تھے۔ اور جب ان سے احتجاج کیا جاتا تو جواب دیتے کہ ہم تو یوں ہی دل لگی اور تفریح کر رہے تھے۔ قرآن کریم نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم (التوبہ)

"بہانے نہ بناؤ۔ تم نے دعوئ ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے؟"

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی یا اسلام کی کسی بات کو ہنسی، دل لگی اور تفریح طبع کا موضوع بنانا کیسا ہے؟ اس کو وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جس کا دل دین و ایمان سے خالی ہو چکا ہو

ان گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اول تو اسلام میں تصویر سازی حرام اور موجبِ لعنت ہے۔

دوم، اس حرام اور ملعون چیز سے دورِ نبوت کو ملوث کرنا نہایت ناپاک جسارت اور ان بزرگوں کی توہین ہے۔

سوم، واقعات کے بہت سے اجزاء و مکالمات فرضی ہوں گے جو کذب و افترا علی الرسول ہے۔

چہارم، ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا پارٹ ادا کرنا شرمناک بات ہے۔

پنجم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی مقدس زندگی کو لہو و لعب اور تفریح کا موضوع بنانا شعبۂ کفر ہے۔

ششم، ایسی فلموں سے غیر مسلموں کے لیے فرضی تصاویر اور من گھڑت واقعات پر مبنی فلمیں بنا کر دورِ نبوت کی جانب منسوب کرنے کا دروازہ کھل جائے گا جس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔ اس لیے ہم اربابِ اقتدار کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اس قوم پر رحم فرمائیں اور اس فلم "فجرِ اسلام" کی نمائش پر پابندی عائد کریں اور تمام مسلمانوں سے اپیل کریں گے کہ وہ نہ صرف اس فلم کا بائیکاٹ کریں بلکہ ہر ممکن طریقہ سے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ خصوصاً تمام علمائے کرام، ائمہ، خطباء اور دیگر راہنماؤں کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔ ایک حرام چیز کو اگر سارا جہان بھی حلال کہہ دے اور اس کے جائز ہونے کے چاروں طرف سے فتوے صادر ہونے لگیں۔ تب بھی وہ چیز حلال اور جائز نہیں ہو جاتی۔ اس قسم کی صریح چیزوں کو جائز کرنے کا انجام بد کچھ تو مسلمانوں کے سامنے آچکا ہے اور کچھ کسر باقی ہے وہ آئندہ پوری ہو جائے گی۔ ولا فعل اللہ ذالک۔

لیجیے ابھی تک "فجرِ اسلام" ہی کا ماتم تھا۔ لیکن ابلیس لعین نے اس سے آگے بڑھ کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی فلم بھی تیار کرا دی۔ کراچی کے بعض اخبارات کی یہ خبر پڑھیے:

"بارہ اسلامی ممالک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر فلم کی نمائش کی جائیگی جامعہ ازہر اور شیعہ کونسل نے مناظر کی نمائش کی منظوری دے دی ہے۔"

تہران ۲۰ جولائی (یو پی پی) پیغمبرِ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر ایک فلم تیار کرنے کے معاہدہ پر اس ہفتے کے دوران دستخط کر دیے گئے۔ اس معاہدے کی رو سے یہ فلم فارسی سمیت کئی زبانوں میں بارہ اسلامی ممالک میں نمائش کے لیے تقسیم کی جائے گی۔ یہ فلم لبنان، کویت، بحرین اور مراکش کی ٹیموں کی جانب سے مشترکہ طور پر پیش کی جا رہی ہے اس کے ڈائریکٹر مصطفیٰ اعتقاد ہیں اور اس نمائش کے مناظر کی منظوری لبنان کی اعلیٰ شیعہ کونسل اور قاہرہ کی جامعہ ازہر نے دے دی۔

(روزنامہ آغاز، ۲۱ جولائی ۱۹۷۳ء)

اگر یہود و نصاریٰ اور منافقینِ اسلام کی ان مکروہ سازشوں سے اب بھی مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلیں تو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ قلوب مسخ ہو چکے ہیں۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسوا کن عذاب میں یہ قوم مبتلا ہونے والی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

کراچی کے ایک انگریزی اخبار ڈیلی نیوز میں یہ خبر شائع ہوئی ہے:-

۱۵ دسمبر ۷۳ء۔ خوشی کی بات ہے کہ مرکزی کابینہ میں عنقریب دینِ اسلام کی حفاظت و اشاعت کے لیے ایک اسلامی امور کی پوری وزارت قائم کی جائے گی۔ عرصہ دراز سے ایسی وزارت کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ گزشتہ دنوں مرکزی اسمبلی میں اس کے متعلق مولانا کوثر نیازی کا اعلان بڑی حد تک پاکستانی عوام کی اکثریت کو مطمئن کرے گا جو کہ ملاؤں کے کردار اور دینی امور پر ان کے تسلط سے مایوس ہو چکے تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ اسلامی امور کی وزارت مولانا کوثر نیازی کی سرکردگی میں قرآن اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کو فروغ دے گی اور اسلام کو ان ملاؤں کے پنجوں سے چھڑائے گا جو کھلم کھلا اسے اپنے سیاسی اور معاشی اغراض کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ وزارت جو مجموعی طور پر دینی امور کی نگران ہوگی یقیناً پرانی مساجد کی دیکھ بھال، نئی مساجد کی تعمیر (جہاں مساجد نہ ہوں) اور مساجد میں روشن خیال جدید تعلیم یافتہ اور ترقی پسند اشخاص ـــ جن کو اسلام اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کا پورا علم ہو ـــ کے تقرر کا کام انجام دے گی۔"

جہاں تک وزارت امور شرعیہ کے قیام کا تعلق ہے یہ بہت ہی مبارک اقدام ہے جو بہت پہلے ہونا چاہیے تھا۔ ایک اسلامی حکومت کا سب سے اہم تر فریضہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام اور شریعت اسلامیہ کی پاسبان ہو اور اسلامی اقدار کے فروغ و ترویج میں کوشاں ہو۔ لیکن یہ خبر جس لب و لہجہ میں شائع ہوئی ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ شاید اصل مقصد اسلام کی پاسبانی سے زیادہ ملاؤں سے گلو خلاصی ہے۔ ان ملاؤں کا سب سے بڑا اور ناقابلِ معافی جرم بس یہ ہے کہ انہوں نے اس ملک میں اسلام کو زندہ رکھنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دی ہے ـــ انہی بوریہ نشینوں کا طفیل ہے کہ یہاں اسلام کے بچے کھچے آثار نظر آ رہے ہیں۔ ہمارے ترقی پسند ملحدین کی نظر میں غریب ملا اس وجہ سے خار ہے کہ وہ جس افراتفری، جنسی سر پھٹول اور جن لادینی خطوط پر معاشرہ کو ڈالنا چاہتے ہیں، ملا اس کے لیے سدِّ راہ ہے۔ بہرحال کسی پر احسان جتانا مقصود نہیں بلکہ صرف عرض کرنا ہے کہ اگر اس ملک میں اسلام کو باقی رہنا ہے تو انشاء اللہ اسلام کے یہ پاسبان جنہیں آپ بلند نظری کی بناء پر لفظ "ملا" سے تعبیر کرتے ہیں وہ بھی رہیں گے۔ سکندر مرزا اور ایوب حکومت پر بھی یہ سودا سوار ہوا تھا مگر ان کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے

جہاں تک سیاسی اور معاشی اغراض کے لیے اسلام کو

(باقی صفحہ پر)

حضرت عمر فاروق رض کا خطبہ

محمد نصیر ہمایوں

ایک روز حضرت عمر فاروق رض اپنے ساتھیوں میں بیٹھے تھے۔ اس مجلس میں سلمان فارسی رض، کعب رض اور زبیر رض موجود تھے۔ حضرت عمر رض نے ان سے کہا۔

"میں ایک بات تم سے پوچھتا ہوں۔ دیکھنا جھوٹ نہ بولنا۔ اگر غلط بیانی سے کام لیا تو تم مجھے برباد کرو گے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کرو گے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ؟"

حضرت طلحہ رض اور زبیر رض نے حیران ہو کر جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ خلیفہ کیا ہوتا ہے اور بادشاہ کیا ہوتا ہے آپ ہم سے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جس کا ہمیں کچھ علم نہیں ہے۔

حضرت سلمان فارسی رض نے قسم کھا کر کہا کہ "آپ خلیفہ ہیں بادشاہ نہیں ہیں۔ اور وہ اس لیے کہ آپ رعایا میں انصاف کرتے ہیں اور ان کے درمیان تقسیم میں مساوات برتتے ہیں اور رعایا پر اس طرح مہربانی کرتے ہیں جس طرح انسان اپنے بال بچوں پر مہربانی کرتا ہے نیز آپ اللہ کی کتاب کے متعلق فیصلہ دیتے ہیں۔

اس پر سب حضرات بولے کہ سلمان فارسی رض کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قرب حاصل رہا ہے۔ اس لیے وہ یقیناً حالات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت کعب رض نے فرمایا کہ ان کا یہ گمان تھا کہ ان کے سوا اور کوئی بھی خلافت اور بادشاہت کا فرق نہ سمجھتا ہو گا۔ لیکن خدائے پاک نے حضرت سلمان کو حکمت اور علم سے بھر دیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رض خود فرماتے ہیں کہ خلافت کا والی وہی ہو سکتا ہے جو ان چار صفات کا مالک ہو۔

۱۔ نرمی کا برتاؤ کرے۔ یہ برتاؤ کمزوری کی وجہ سے نہیں دینی اصول کے مطابق ہو۔

۲۔ سختی ہو بلا سخت دلی کے، یعنی قوی ہو، جبر و دشمنی کرنے والا نہ ہو۔

۳۔ مال کا روکنا بغیر بخل لانے کے، یعنی لالچ کا اتباع نہ کرے۔

۴۔ سخاوت، جو بغیر فضول خرچی کے یعنی —— سخی جو فضول خرچ نہ ہو۔

ان چار خوبیوں میں اگر ایک کی بھی کمی ہو تو باقی تینوں عادتوں کے بگڑ جانے کا احتمال رہتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:-

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب رض ہوتے"

حضرت عمر بن الخطاب رض جب خلیفہ مقرر ہوئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پہ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! میں جانتا ہوں کہ تم مجھ میں سختی دیکھتے ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں۔ میں ان کا غلام تھا اور آپ اسی طریقہ پہ کاربند تھے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "آپ مسلمانوں کے لیے بہت مہربان اور بہت رحم دل ہیں"۔

میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے ایک تنی ہوئی تلوار کی طرح تھا۔ مگر یہ کہ آپ اپنی اس تلوار کو میان میں رکھتے تھے یا مجھ کو کسی کام سے منع کر دیتے تو میں رک جاتا ورنہ میں لوگوں پہ پیش قدمی کرتا تھا۔

آپ کی نرمی کی وجہ سے میں اسی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا۔ یہاں تک کہ حضور وفات پا گئے اور وہ مجھ سے راضی ہو کر گئے میں شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ ہی کی بدولت مجھے یہ سعادت مندی حاصل ہوئی۔

پھر اسی طرح میں حضرت ابوبکر صدیق رض کے ساتھ رہا۔ جو حضور کے بعد ان کے خلیفہ مقرر ہوئے اور تم لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ وہ اپنے رحم و کرم اور نرمی میں کیسے تھے۔ میں ان کا خادم تھا اور ان کے سامنے اسی تلوار کی طرح تھا جو میان میں رہتی ہے اور اپنی سختی کو ان کی نرمی کے ساتھ ملا دیتا تھا لیکن اگر وہ مجھے روکنے کے لیے کہتے تو میں رک جاتا تھا۔ کبھی آگے بڑھنے کا خیال تک نہیں کیا۔ جس طرح میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خادم تھا اسی طرح اُن کا بھی خادم تھا۔ وہ رحلت کر گئے۔ اور مجھ سے راضی ہو کر گئے۔ پھر میں شکر ادا کرتا ہوں کہ ان کی وجہ سے مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی۔ اب تم لوگوں کا انتخاب میری طرف لوٹ آیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کسی کے دل میں یہ خیال ضرور آئے گا کہ جب خلافت دوسروں کے ہاتھ میں تھی تو میں سختی کرتا تھا اور جب میں خلیفہ بن گیا تو خبر نہیں ہمارا کیا حال ہو؟ تم پر واضح رہے کہ تم میرے متعلق کسی سے نہ پوچھو۔ تم مجھے خوب جانتے ہو اور میرا تجربہ کر چکے ہو۔ تم لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو خوب پہچانا ہے جو میں جانتا ہوں۔ اور کسی ایسی شے پر جو مجھے پسند ہو، نادم نہیں ہوں۔ اس لیے کہ میں نے حضور سے پوچھ لیا ہے۔ لہٰذا تم لوگوں کو مطلع ہونا چاہیے کہ میری ان سختیوں میں جن کو تم دیکھتے تھے ظلم و تعدی کرنے والوں پر کئی گنا اضافہ ہو گا جب کہ خلافت میرے ہاتھ میں آ گئی ہے، اور کمزور مسلمانوں کا ان پر جبر کرنے والے سے حق لینے پر اور میں اپنی اس شدت کے بعد پاک دامن لوگوں کے لیے اپنا رخسار زمین پر رکھنے والا ہوں۔ یہ پاک دامن لوگ معصیت سے رکتے ہیں اور اللہ کے فرمان کو تسلیم کرتے ہیں۔ پس ہر اس معاملہ میں جو میرے اور آپ کے درمیان ہے سوچ اور غور کرے۔

"پس اے خدا کے بندو! خدا سے ڈرو اور اپنے ذاتی نفسوں کے برخلاف میری اعانت کرو، اپنے ان نفوس کو میری سزا سے روکو اور میرے نفس کے خلاف مجھے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کر کے میری اعانت کرو۔ اور تمہارے اختیار سے جس چیز کا خدا نے والی بنایا ہے اس کے بارے میں مجھے نصیحت کرنے سے دریغ نہ کرو۔"

اس خطبہ کے بعد آپ منبر سے نیچے اتر آئے اور چند بزرگ جن میں حضرت علی رض، حضرت عثمان رض، حضرت طلحہ رض، حضرت زبیر رض، حضرت عبدالرحمٰن رض بن عوف رض اور حضرت سعد بن ابی وقاص رض وغیرہم آگے بڑھے اور استصواب کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض کو آگے کیا۔ انہوں نے کہا۔

"اے امیر المومنین! لوگوں کے لیے نرم ہو جائیے ایسا نہ ہو کہ سوالی آپ کی ہیبت سے بغیر اپنی فریاد کہے اور بغیر کچھ کہے واپس چلا جائے۔"

آپ رض نے فرمایا:-

"اے عبدالرحمٰن! خدا کی قسم، میں لوگوں کے لیے یہاں تک نرم ہوا کہ خدا سے اس شدتِ نرمی کی وجہ سے ڈرنے لگا اور میں نے لوگوں پر سختی کی، یہاں تک کہ مجھے خدا کے خوف سے کپکپی شروع ہو گئی۔ اب بتاؤ کہ خلاصی کی کیا سبیل ہے؟"

یہ سن کر عبدالرحمٰن بن عوف رض روتے ہوئے کھڑے ہوئے اور ان کے اس خوفِ خدا کا اعتراف کیا۔

بقیہ: بصائر و عبر

استعمال کرنے کا سوال ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس ملک میں وہ کون بڑا یا چھوٹا ہے جو اسلام کے طفیل اپنی روٹیاں سیدھی نہیں کر رہا۔ خود اس ملک کا قیام، اس کا وجود، یہاں کی صدارتیں، امارتیں، وزارتیں سب اسلام ہی کے نام سے وابستہ ہیں۔

اسلام کسی گروہ یا کسی طبقہ کی اجارہ داری نہیں نہ "ملا" کسی خاص مخلوق کا نام ہے۔ بادشاہ کا لڑکا ہو یا کسی فقیر کا، تاجر کا بیٹا ہو یا مزدور کا، جو چاہے علمِ دین حاصل کر کے اسلام کی خدمت میں حصہ لے سکتا ہے۔ علمِ دین کی تحصیل کے دروازے کسی مسلمان پر بند نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ علمِ دین سے جاہل رہ کر بھی اسے دین کے معاملہ میں دخل در معقولات کا حق حاصل ہے اور اسلام کو ملاؤں کے چنگل سے آزاد کرنے کا یہی مطلب ہے کہ ہر شخص کو لاوارث اسلام کے پوسٹ مارٹم کا حق ہے تو قیامت تک یہ تمنا بر نہ آئے گی۔ یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

اشتراکیت اور اسلام

آج کل کی جدید عربی اصطلاحات میں "سوشلزم" کو اشتراکیت سے تعبیر کرتے ہیں اور سوشلزم کے معتقد اور پیرو یعنی سوشیالسٹ کو اشتراکی کہتے ہیں۔ سوشلزم اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں ایک طرف تو ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جو لاکھوں اور کروڑوں روپے کی جائیداد رکھتے ہیں اور جن کے قبضہ میں ان کی حاجت سے بہت زیادہ ہے۔ دوسری طرف ایسے افراد پائے جاتے ہیں جن کے پاس اتنا بھی نہیں جن سے اپنی ستر پوشی کر سکیں۔ یا شکم سیر ہو سکیں اس لیے وہ کروڑوں روپے جو ارباب ثروت کے پاس بے کار پڑے ہیں وہ ان فقراء اور مساکین پر تقسیم کر دیئے جائیں تاکہ دونوں گروہ باسانی زندگی بسر کر سکیں۔ اس مسئلہ کو زیادہ صاف کرنے کے لیے علم اقتصاد سیاسی یعنی پولیٹیکل اکانمی کی طرف رخ کرنا چاہیئے اکانمی نے یہ طے کر دیا ہے کہ انسان کی ہر قسم کی دولت اور پیداوار کے لیے اصول اولی دو چیزیں ہیں محنت اور راس المال، کیونکہ انسان کے تمام ذرائع آمدنی کا اصلی منبع صرف دو چیزیں ہیں زراعت اور صنعت ان کے علاوہ اور دوسری ہر قسم کی آمدنیاں انہیں دو ذرائع مذکورہ کے ماتحت ہیں۔ مثلاً "زمینداری" کہ اس کی اصل آمدنی زراعت پر موقوف ہے۔ تجارت، صنعت اور زراعت کی پیداوار کے باہمی تبادلہ کا نام ہے نوکروں کے ذریعے سے جو روپیہ مالک سے وصول کیا جاتا ہے وہ درحقیقت اسی زراعت اور صنعت کی بلاواسطہ یا بالواسطہ آمدنی ہے، پہلے ہم صنعت اور زراعت کی حقیقت پر غور کرنا چاہیئے۔

صنعت

ان مادی چیزوں کو جن کو ہر مقام پر یا بعض بعض مقام پر خدا نے فطری طور پر پیدا کر دیا ہے اور جو بیکار پڑی ہیں حاجت انسانی کے مناسب بنانے کا نام ہے ان مادی چیزوں کو حاجت انسانی کے مناسب بنانے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے کام کرنے والوں کی محنت کی اور ان آلات و اوزار کی جن کی کام کرنے والا اپنے اثر فاعلی کو ان مادہ چیزوں پر صرف کرتا ہے آلات اور اوزار کے لیے راس المال اور سرمایہ کی ضرورت ہے اسی لیے صنعت اور دستکاری کی آمدنی کا اصل منبع مزدوروں کی محنت اور کارخانہ دار کا سرمایہ ہے۔

یہی حال **زراعت** کا ہے زمین کی درستگی کے لیے مزدوری اور آلات و اوزار زراعت کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہے خلاصہ تفصیل ماسبق یہ ہے کہ دنیا کی ہر نوع اور ہر قسم کی آمدنی کی اصل مزدور اور اہل سرمایہ ہیں۔ دونوں آمدنی کے پیدا کرنے میں برابر کے شریک ہیں اس لیے تقاضائے انصاف یہ ہے کہ زراعت اور صنعت کی تمام آمدنی دو برابر حصوں میں تقسیم ہونی چاہیئے ایک حصہ مزدوروں کو دیا جائے اور دوسرا حصہ اہل سرمایہ لیں۔ لیکن ساری دنیا میں اہل سرمایہ اور کارخانہ دار تمام منافع کے اصل مالک بن جاتے ہیں اور مزدوروں کو ان کے حق سے اس قدر کم دیا جاتا ہے کہ وہ مشکل سے اوقات بسری کر سکتے ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ مزدوروں کی اعانت کی جائے ان تمام مقدمات بالا کا نتیجہ یہ ہے کہ فقراء اور مزدوروں کی امداد کی جائے یہی خیال سوشلزم اور اشتراکیت کا سنگ بنیاد ہے۔ اس خیال کی کامیابی کے لیے ان کو بہت سے مراتب طے کرنے پڑتے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ موجودہ نظام زندگی بالکل بدل دیا جائے ہر قسم کی جائیدادیں اور ملکیتیں اہل سرمایہ اور ارباب ثروت کی شخصی ملکیت و تصرف سے نکال کر وقف عام کر دی جائیں۔ تمام کاشتکاریاں، جائیدادیں اور کارخانے جمہور ملک کی ملک ہوں گورنمنٹ کو مخصوص افراد کے قبضہ سے نکال کر عام پبلک کے زیر انتظام کیا جائے۔ ہر قسم کے آلات و سرمایہ مشترک طور پر تمام اہل ملک یا گورنمنٹ کی ملک ہوں۔ ملک کے تمام افراد محنت صرف کریں، ہر قسم کا منافع ایک جگہ جمع ہو اور وہ تمام اہل ملک پر مساوی طور سے گورنمنٹ کی زیر نگرانی تقسیم ہو، ہر شخص کے امتیازات شخصی مٹا دیئے جائیں۔ ذاتی اعزاز اور تفوق کی کوئی مثال باقی نہ رہے، بادشاہ اور رعایا، غلام اور حاکم، امیر اور فقیر، معزز اور ذلیل غرضیکہ ہر قسم کے تفاوت و مراتب کو صفحۂ ہستی سے محو کر دیا جائے اور تمام عالم میں ہر چیز کے اندر مساوات عام ہو جائے انتہا یہ ہے کہ ان کا خیال مساوات خدا کی غیر معمولی عظمت کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔

اکانمی جس سے اشتراکیت کو تعلق ہے اس کا بانی اول گو ایک فرانسیسی عالم انٹوان ڈی منکریتاں المتوفی ۱۶۱۵ء ہے اس کا مدون ڈاکٹر کینیسی ۱۷۵۸ء ہے لیکن اکانمی کو فن کی حیثیت سے جس نے دنیا کے سامنے روشناس کیا وہ ایڈم اسمتھ ہے۔ جس کی اس فن میں پہلی تصنیف ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی۔ اسمتھ کے بعد دو انگریز عالم ملتھس، ریکارڈو اور فرانسیسی عالم جان بیپٹسٹ پیدا ہوئے انہوں نے اس فن کو تکمیل تک پہنچا دیا۔ یہ علمائے فن اقتصاد انیسویں صدی کے ابتدائی حصہ میں تھے اس بیان سے ثابت ہوا کہ اشتراکیت انیسویں صدی کی پیداوار ہے جن اکانمسٹ اور علمائے اقتصادیات کا ہم نے تذکرہ کیا وہ اس فن کے اصول اور ان کو اصلی صورت میں لانے کی نسبت کسی قدر مختلف رائے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشتراکیین اور سوشالسٹس کے چند فرقے ہو گئے۔

۱- فوضوی یا کمیونسٹ یا نہلسٹ اس فرقہ کا خیال یہ ہے کہ تمام دنیا سے ہر قسم کی شخصی ملکیتیں اور امتیازات مٹا دیئے جائیں دنیا کا ذرہ ذرہ ذاتی ملک سے نکل کر جمہوری ملک ہو جائے۔ تاکہ تمام انسان اپنی صلاحیت کے مطابق کام کریں اور اپنی ضرورت کے مطابق حصہ پائیں یہ فرقہ بجبر ملکیت کو مٹانا چاہتا ہے عہدہ داران و ارباب ثروت کو مار ڈالنا اس کے نزدیک ثواب ہے۔

۲- اجتماعی یا سوشیالسٹ فقط یہ چاہتا ہے کہ صرف آلات شخصی تصرف سے نکال کر عام پبلک کی ملک کر دیئے جائیں تاکہ فقراء اور مزدور، ارباب ثروت اور اہل سرمایہ کی احتیاج کے بغیر کام کر سکیں۔

۳- قومی یا نیشنلسٹ، اس فرقہ کی تھیوری یہ ہے کہ صرف کاشت اور سکونت کی زمینیں شخصی ملکیت سے نکال لی جائیں کیونکہ ثروت کا اصل منبع زمین ہے اور جب تمام زمین جمہور یا گورنمنٹ کی ملک ہو جائے گی تو اہل حاجت اور مزدوروں کی حالت بہت کچھ سنبھل جائے گی۔ اشتراکیین کے یہ مختلف فرقے تمام ممالک متمدنہ میں روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ یورپ کے بعض بعض ملک کے اکثر باشندے سوشلزم کے معتقد ہوتے جاتے ہیں اس فرقہ کی تمام عالم میں خفیہ سوسائٹیاں، انجمنیں اور اخبارات ہیں جو ان کے خیالات کی اشاعت کرتے ہیں۔ پبلک میں موجودہ نظام سلطنت کے برخلاف جوش پیدا کرتے ہیں، سلاطین حکام ملک اور ارباب ثروت کے قتل کی تدبیریں کرتے ہیں۔ ناچار گورنمنٹ کو ان کی مزاحمت پر آمادہ ہونا پڑتا ہے اور بزور قوت ان کی بیخ کنی کی کوششیں کرنی پڑتی ہیں لیکن یہ تمام کوششیں بے سود ہوتی ہیں اور سوشلزم کا سیلاب نہیں تھمتا سنہ ۱۸۸۹ء سے اس کے مذہب کے پیرو جرمنی میں بہت بڑھ رہے ہیں سنہ ۱۹۰۰ء میں جرمنی میں اشتراکیین کی تعداد دس لاکھ تھی سنہ ۱۹۱۰ء میں بیس لاکھ ہو گئی۔ جرمنی کے علاوہ فرانس، بلجیم، ہولینڈ اور پولینڈ، روس اور امریکہ، رومانیہ، اٹلی، پروشیا، سوئٹزرلینڈ اور انگلینڈ میں بھی یہی حال ہے اور اشتراکیین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا کوئی تعجب انگیز امر نہیں کیونکہ سوشلزم کا اصل مقصد فقرائے قوم اور مزدور پیشہ اشخاص کی حمایت ہے اور یہ معلوم ہے کہ ملک میں مزدوروں اور فقیروں کی تعداد تمام فرقوں سے زیادہ ہے اس حالت میں فرض کر لینا چاہیئے کہ یورپ کے تمام فقراء اور مزدور پیشہ درحقیقت سوشیالسٹ ہیں لیکن عجیب تر یہ ہے کہ سوشلزم کی آواز سے تمام یورپ اس قدر گونج اٹھا ہے کہ اس کی تاثیر سے یورپ کا کوئی فرقہ نہیں بچ سکتا۔ کنسرویٹو پارٹی جس کا منتہائے مقصد قدیم آداب و رسوم کی حمایت اور ذاتی اعزاز و مناصب کی حفاظت ہے۔ اس کو بھی کسی قدر تغیر کے بعد سوشلزم کا ہم آہنگ ہونا پڑا۔ انتہا یہ ہے کہ کالج اور سکول کے پروفیسر اور ٹیچر اور دیر و کنیسہ کے راہب اور پادری بھی اصول اشتراکیت میں کسی قدر ترمیم کے بعد اشتراکیین کے ہم آواز ہو گئے ہیں۔ اس چیخ پکار شور و فریاد، واویلا اور ہنگامہ کا اثر یہ ہے کہ تمام یورپ کے خیالات میں موجودہ نظام تمدن کے انقلاب کے متعلق عجیب قسم کا تلاطم برپا ہو گیا ہے اور ہر شخص جدید تمدن کے مصائب کو محسوس کر رہا ہے اس مقدمہ کے ساتھ دوسرے مقدمات کا اضافہ اور کیجئے

(۱) یورپ میں تمدن کی بنا شخصی فوائد، خود غرضی اور ذاتی منافع پر ہے۔ باپ بیٹے کو نہیں پوچھتا۔ بیٹا باپ کی خبر نہیں لیتا۔ پھر ملک کے عام افراد کے ساتھ اس کو کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔

یورپ کی ثروت اور دولت کا اصلی سرچشمہ صنعت اور تجارت ہے۔ ہر شہر میں کمپنیاں اور کارخانے ہیں جن کے مالک اشخاص یا جماعت کے چند افراد ہیں۔ ہر کارخانہ میں ہزاروں مزدور کام کرتے ہیں جن کی روزانہ آمدنی ان کے روزانہ اخراجات کے لیے مشکل سے کافی ہو سکتی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف کارخانہ داروں کی مختصر جماعت کارخانہ کے منافع کثیر سے مالامال

ہو جاتی ہے دوسری طرف ادنیٰ طبقہ میں فقراء اور مساکین کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔

۳۔ بنکوں کے وجود نے یہ قیامت برپا کر رکھی ہے کہ ایک پیسہ کا قرض بھی بغیر سود کے نہیں مل سکتا۔ جائیدادیں عام پبلک کے ہاتھ سے نکل کر مالکانِ بنک کے تصرف میں آتی جاتی ہیں اس سے فقر اور ناداری کی کثرت ہو رہی ہے۔

۴۔ تمدنِ جدید نے ضروریاتِ زندگی کی قیمت اس قدر بڑھا دی ہے کہ کم ثروت والوں کو زندگی بسر کرنا مشکل ہے کھانے کی چیزیں اس قدر گراں ہیں کہ فقراء ان کو خرید نہیں سکتے۔ ملک کی شدتِ حاجت کی وجہ سے نرخِ اشیاء میں گرانی حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اور آزادیِ تجارت کی بنا پر گورنمنٹیں اس میں زیادہ روک ٹوک نہیں کر سکتیں۔

۵۔ گورنمنٹوں نے فقیروں اور بے ساز و سامان شخصوں کے ذاتی مصارف کے لیے کوئی سامان نہیں کیا یہ تو ہے کہ اندھوں، کوڑھیوں، لولوں اور مجبوروں کے لیے امدادی محکمے قائم ہیں لیکن ایک مجبور قرضدار کے ادائے قرض کی کوئی صورت نہیں ایک مزدور کو آج مزدوری نہ مل سکی تو وہ کل کیا کھائے گا ایک فقیر کے پاس کپڑا نہیں وہ کپڑا کہاں سے لائے گا۔ یورپ عام مصالح کی نگرانی تو کر رہا ہے لیکن شخصی ضرورتیں اور اتفاقی حاجات کا اس کے یہاں کوئی بندوبست نہیں۔

۶۔ اتفاق سے اول تو یورپ مذہب سے آزاد ہے اور اس لیے وہ اس شخصی ہمدردی کی قدر نہیں کر سکتا۔ علم تمدن نے اس کے بجائے ملکی اور جمہوری ہمدردی قائم کر دی ہے جو شخصی ضروریات کے لیے کافی نہیں۔ دوسرے وہاں جس مذہب کا رواج ہے وہ عیسائیت ہے جس نے مال و دولت کی سخت تحقیر کی ہے عام نصائح کے سوا اس نے اربابِ ثروت کو اہلِ حاجت کی امداد کے لیے بھی کوئی حکم نہیں دیا اس لیے عیسائی ممالک میں فقراء کے ساتھ یہ بے اعتنائی کچھ بعید نہیں یورپ کے تمام ممالک میں انگلستان بہ اعتبار ثروت کے سب سے زیادہ ممتاز ہے لیکن یہاں بھی یہ حالت ہے کہ اس وقت ۱۷۰۰۰۰۰ تعداد صرف ان فقراء کی ہے جن کی گورنمنٹ امداد کرتی ہے جرمنی کی ۱۸۷۰ء میں مجموعی آبادی ۴۰۰۰۰۰۰۰ تھی آج کل ۶۰۴۰۰۰۰ کروڑ ہے سالانہ اموات کی تعداد سے پیدائش کی تعداد ۹ لاکھ زیادہ ہو رہی ہے اسی کے ساتھ ساتھ فقراء اور مساکین کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔ جرمنی کے کارخانے کاشتکاریاں دستکاریاں اور ہر قسم کے ذرائع صرف چار کروڑ آدمیوں کی کفالت کرتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اشتراکیین کی تعداد نہایت سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

ان تمام بیانات مذکورہ بالا سے بالکل واضح ہو گیا ہے کہ یورپ آج کل عجیب قسم کے اقتصادی مصائب میں مبتلا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ان مشکلات کو حل کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی ہیں۔

جرمنی نے یہ طے کیا تھا کہ اشیاء کے نرخ میں کمی کی جائے اس نے فقراء اور مساکین کے لیے الگ بازار قائم کیے جہاں خوراک کی معمولی چیزیں ارزاں قیمت پر فروخت کی جائیں۔ پولیس کو حکم دیا گیا کہ ان بازاروں میں اہلِ ثروت نہ جانے پائیں اس قسم کے چار بازار صرف برلن میں قائم کیے گئے۔ انگلستان کی گورنمنٹ بھی فقراء کی اعانت کے لیے آمادہ ہوئی۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں انگلستان نے فقراء اور اہلِ حاجت پر ۱۴۷۸۶۰۰۰ صرف کیا ان اخراجات سے ۱۰۰۰۰۰۰ لاکھ افراد کی اس نے اعانت کی ان میں سے ۵۲۴۰۰۰ کی تا زندگی ۵۳۰۰۰۰ کی ایک مدت دراز تک ۴۹۰۰۰۰ کی صرف ایک سال تک انگریز مزدوروں نے باہمی مشورہ و امداد کے لیے ٹریڈ یونین بھی قائم کی ہے جو بہت کامیاب ہو رہی ہے۔ پروشیا (جرمنی) کی گورنمنٹ نے اصول اشتراکیت کے مطابق حسبِ ذیل قوانین جاری کیے جو پروشیا کے شہری قانون کے انیسویں باب کی مختلف دفعات میں مذکور ہیں:-

دفعہ اول:- گورنمنٹ پر فرض ہے کہ ان لوگوں کی معاش کی متکفل ہو، جو خود اپنی معاش پیدا نہیں کر سکتے۔

دفعہ دوم:- بیکاروں کے لیے ان کی حالت کے مناسب کوئی خدمت یا کام مقرر کیا جائے۔

دفعہ سوم:- جو لوگ سستی، کاہلی یا کسی اور عادت مذموم کے سبب کام سے متنفر ہوں ان کو گورنمنٹ کی نگرانی میں مفید اشغال کے اندر مصروف کیا جائے۔

دفعہ ششم:- گورنمنٹ پر فرض ہے کہ وہ ایسے کارخانے اور ملز قائم کرے جن سے محتاجوں کی زندگی کا سامان ہو سکے اور فضول خرچ لوگوں کی بھی تہذیب اخلاق ہو۔

دفعہ دہم:- دیہاتوں میں میونسپلٹی کا فرض ہے کہ دیہات کے مفلسوں اور محتاجوں کی حاجت پوری کیا کرے۔

دفعہ یازدہم:- میونسپلٹی پر فرض ہے کہ وہ ناداری اور افلاس کے اسباب کی تحقیق کرے۔ اور اس کے انسداد کی تدابیر اختیار کرے۔

یہاں تک گورنمنٹوں اور حکومتوں کی کوششوں کا بیان تھا، مذہب کی حیثیت سے یورپ کے مذہبی علماء اور پادری بھی ان اقتصادی مشکلات اور معاشرتی مصائب کو دور کرنے کے لیے اٹھے لیکن کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان علماء مسیحیت نے انجیل مقدس یا مسیحی تعلیمات کی ہدایات سے ان عقدوں کے حل کرنے کی کوشش کی ہو گی؟ نہیں۔ ان کو کہاں مسیحی مذہب میں اس کی کوئی ہدایت نہیں ملتی جس نے اہلِ دولت کو سخت تحقیر کے ساتھ اپنی آسمانی بادشاہت سے نکال دیا ہے اس لیے ان کو چارہ کار اس کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا کہ وہ بھی تھوڑی ترمیم کے ساتھ اشتراکیین کی صف میں کھڑے ہو جائیں۔

ان مذہبی علماء کے اشتراکی اصول کے لحاظ سے دو فرقے ہیں۔ فرقہ انجیلی اشتراکی اور کیتھولک اشتراکی ان مذہبی فرقوں کو اشتراکی یا سوشیلسٹ کہنا صرف اس لیے جائز ہے کہ سوشیلسٹ کا لقب خود انھوں نے اپنے لیے خوشی سے اختیار کیا ہے ورنہ در حقیقت وہ سوشیلسٹ نہیں ہیں۔ انھوں نے فقراء اہلِ حاجت و افلاس اور غریب مزدوروں کی حمایت صرف اس لیے جائز رکھی ہے کہ مذہبی وقار آزاد خیال یورپ کے ادنیٰ طبقہ میں قائم ہو جائے۔

بہر حال انجیلی اشتراکیین نے (جس کے ممبر زیادہ تر گرجوں کے پادری ہیں) حسبِ ذیل تجویزیں اختیار کیں۔ مسیحی اشتراکی مزدوروں کی انجمن مذہبی عقائد کے احترام اور ملک و حکومت کی محبت پر مبنی ہیں۔ وہ لوگ گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں کہ اہلِ پیشہ اور مزدوروں کے لیے خاص مفید قوانین وضع کیے جائیں، یتیم بچوں، بیوہ عورتوں اور مجبور لوگوں کے لیے امدادی فنڈ قائم کیے جائیں۔ کام کی مناسبت سے مزدوروں کے لیے کام کرنے کے گھنٹے محدود کر دیئے جائیں۔ سرکاری املاک اور دیہاتی جائیدادیں مزدوروں کو معمولی نرخ سے زیادہ ارزاں نرخ پر دیں۔ اعانتِ فقراء کے لیے آمدنی پر ٹیکس اور وراثت کے قرب و بعد اور کمی و بیشی کے لحاظ سے ترکہ پر محصول لگایا جائے۔

کیتھولک اشتراکیین کی حسبِ ذیل تجاویز ہیں، باہمی امداد کے لیے انجمنیں قائم کی جائیں۔ سرمایہ مزدوروں کے سپرد کیا جائے گورنمنٹ اجرتِ کار اور اوقاتِ کار کی تعیین کرے سرپرستوں اور بچوں کا اور اہلِ سرمایہ اور مزدوروں کا باہمی تعلق صاف کرے قرض دہی کی انجمنیں قائم ہوں۔ اہلِ حاجت کو بغیر سود کے قرض دیں۔

اس تفصیل سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ گئے۔ کہ یورپ میں جنگ نہ ہوئی جب بھی وہ سخت مصیبت میں مبتلا تھا؛ اقتصادی مشکلات روز بروز بڑھتی جاتی ہیں۔ اہلِ افلاس اور اربابِ احتیاج کی امداد و اعانت کی کوئی صحیح راہ اب تک نہ نکل سکی مختلف ممالک اور انجمنیں مختلف تدابیر سے ان مشکلات کی عقدہ کشائی کر رہی ہیں لیکن اب تک کوئی باقاعدہ اصول اس کے لیے مدون نہ ہوا۔

اب ہم کو یہ ثابت کرنا ہے کہ گذشتہ اقوام کے تمدن میں بھی اس قسم کی مشکلات پیدا ہوئیں اور وہ بھی ان کو حل نہ کر سکیں۔

گذشتہ زمانہ میں یہود اور سلافی اقوام میں دستور تھا کہ تمام زمین ایک وقت پر تمام افراد پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔ بعض قوموں میں زمین کا تمام اختیار ایک شخص کو دیدیا جاتا تھا۔ وہ زمین اور اس کے منافع کو تمام قوم میں تقسیم کر دیتا تھا۔ فراعنہ مصر کے زمانہ میں بھی اسی اصولِ اشتراکیت پر عمل ہوتا تھا۔

گذشتہ اقوام میں یونان بھی ایک خاص پایہ رکھتا تھا لیکن اپنے زمانہ تمدن میں وہ بھی اشتراکیت اور سوشیلزم سے نہ بچ سکا۔ مشہور مقنن سولن کے عہد میں ایتھنز کے اندر اربابِ ثروت اور نادار فرقہ میں ایک عجیب فتنہ برپا ہوا۔ نادار مفلس فرقہ کو ضد تھی کہ شہر کی تمام دولت ایک جگہ اکٹھی کر کے تمام افراد پر مساوی طور پر تقسیم کر دی جائے اہلِ ثروت کی جماعت کو اصرار تھا کہ دولت و ثروت کی مقدار حسبِ مدارجِ اعزاز ہونی چاہیے سولن نے اس فتنہ پر کوئی توجہ نہ کی۔ لیکن اسپارٹا میں لیکارگس نے اصولِ اشتراکیت تسلیم کر لیا اور اسپارٹا کی تمام دولت اس نے افراد پر برابر برابر تقسیم کر دی۔ ایران میں مزدک کی فرقہ کا وجود بھی انہی حالات کا نتیجہ تھا۔ مزدک کی رائے تھی کہ تمام فتنوں کا سبب واحد دولت اور عورتیں ہیں۔ اس لیے دولت کو بندشِ ملکیت سے اور عورتوں کو قیودِ زوجیت سے آزاد کر کے تمام ملک کے لیے عام کر دینا چاہیے۔ ایران کے طبقہ زیریں نے حصولِ دولت کے لیے اور طبقہ اعلیٰ نے حصولِ سامانِ عیش و مسرت کے لیے ان خیالات کو قبول کر لیا لیکن اس کا جو نتیجہ ہوا وہ مدائن کے کھنڈروں سے پوچھیے۔

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان اقتصادی اور اشتراکی مصائب کا کامل اندفاع نہ گذشتہ اقوام سے ہو سکا اور نہ موجودہ زمانہ میں یورپ ان عقدوں کو حل کر سکا نیز ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اشتراکیت ہر اس تمدن کے لیے لازمی ہے جس کی

(باقی صفحہ آخر پر)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

جلیل القدر صحابی
اور
اسلام کے تیسرے خلیفہ

تحریر
محمد نصیر
ہمایوں

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسلامی سنہری دور کی چوتھی کڑی ہیں۔ ان کے فضائل و مناقب آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ نبی کریم کے قریبی رشتہ دار اور ایک تابع فرمان شاگرد تھے۔

آپ حافظ قرآن بھی تھے اور جامع قرآن بھی، ملک التجار بھی تھے اور غریب نواز بھی، دین میں خاص طور پر ایک اونچا درجہ رکھتے ہیں اور دنیا میں بھی ایک بلند پایہ شخصیت کے مالک تھے۔

تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک بہت بڑے سیاح بھی تھے ہواؤں اور فلکیات کے علوم میں یکتائے زمانہ تھے۔

ایمان وحیا اور سخاوت کے پتلے تھے، پہلے مہاجر ہونے کی حیثیت سے قرآن حکیم نے انہیں السابقون الاولون کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ قرآن حکیم نے جن اصحابؓ کو جنت کی بشارت دی ہے آپؓ ان میں سرفہرست شامل ہیں۔ وہ صلح جوئی کے جذبہ کے تحت مسلمانوں میں صلح کرانے کے لیے بھی اپنا روپیہ استعمال کرتے تھے اور خرید کے وقت بھی ان کا کردار بے مثال تھا۔ بیچنے والے کی حالت محسوس کرتے، مقررہ قیمت سے بہت زیادہ رقم ادا کر دیتے تھے۔ جہاندیدہ ہونے کی حیثیت سے ان کی گفتگو میں تنوع اور حیرت انگیز کشش تھی چنانچہ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں بے تکلفی سے باتیں کرنے کا خاص موقع ملتا رہتا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کو ذوالنورین اس لیے کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کی زوجیت میں آئیں۔ رقیہؓ اور ام کلثومؓ جب دوسری بیوی کا بھی انتقال ہو گیا تو انھیں دفن کرتے وقت حضورؐ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور پکار کر کہا۔

"اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کو بھی حضرت عثمان غنیؓ کے عقد میں دے دیتا"

حضرت عثمان غنیؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یہ دس وہ صحابی تھے جن کو جنت الفردوس کا وعدہ دیا گیا ہے رسول اکرمؐ ملت کے معاملات میں جن صحابہ کرام کا مشورہ طلب کیا کرتے تھے ان میں حضرت عثمان غنی ہمیشہ شامل رہے ہیں۔

حضرت عثمانؓ حیا اور پاکیزگی کے پتلے، اپنے رحم و کرم میں یکتا، جہاد بالمال میں لاثانی، ایمان اور استقامت کے مجسمے تھے۔ جب رسول اکرمؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں پانی کی قلت تھی، صرف ایک ایسا کنواں تھا جو بئر رومہ کے نام سے مشہور تھا رسول اکرمؐ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے پوچھا۔

"کون ہے جو اس کنوئیں کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے گا؟"

یہ سعادت بھی حضرت عثمان غنیؓ کو ہی نصیب ہوئی اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے کئی جگہ مزید کنوئیں کھدوائے اور وقف کر دیئے۔

ایک غزوہ کی تیاری میں حضرت عثمان غنیؓ نے اپنا تمام مال وقف کر کے جہاد بالمال کا بے مثال نمونہ پیش کیا اس طرح غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

غزوہ تبوک میں ایک بار ان کی دی ہوئی اشرفیوں کو نبی کریمؐ الٹا پلٹا کر کہتے جا رہے تھے۔

"عثمان! تیرا بہشت میں مقام بن چکا ہے"

عہد خلافت کی جھلکیاں

حضرت عثمانؓ ستر سال کی عمر میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے مدینہ منورہ میں ایک ایسی ندی ہے جس میں طغیانی آتی تھی۔ ان کے عہد میں ایک سیلاب ایسا آیا جس سے شہر غرق ہو گیا اس کے بعد انہوں نے ایک بند تعمیر کروایا جس سے شہر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا اور انہوں نے آس پاس کی زمین خرید کر حرم محترم کو وسعت دی۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نبی کریمؐ اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں ایک معمولی بدو کو بھی بڑے سے بڑے رعب والے بادشاہ کے سامنے گفتگو کرنے میں جھجک نہ ہوتی تھی، اور یہ آزاد خیالی ان کا ایک طرۂ امتیاز تھا۔ یہ جو کچھ آپ یہاں دیکھتے ہیں کہ اپنی رائے ظاہر کرنے کے لیے کسی بڑے آدمی کی پیروی کرنے کی تلاش ہوتی ہے اور نگاہ کسی دبدبہ والے آدمی کا رخ معلوم کرنے کے لیے ادھر ادھر دوڑتی ہے یہ بات اہل عرب میں نہیں تھی۔ اس لیے ان کو بسا اوقات ایک نقطہ پر اکٹھا کرنا معمولی کام نہ تھا یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلافت کا تعین کرنے کے لیے عشرہ مبشرہ میں سے چھ بزرگوں کی ایک مجلس شوریٰ مقرر کی۔ تو کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے حضرت عبدالرحمان بن عوف کو سخت محنت، بردباری اور شب بیداری سے کام لے کر کئی کٹھن منزلیں طے کرنے کے بعد مسلمانوں کو یک زبان پا کر حضرت عثمانؓ کو امیر المومنین تجویز کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

زمانہ شاہد ہے کہ ہمارے دل و دماغ ایسی آلائشوں سے پاک نہیں ہیں جو حق گوئی میں مانع ہوتی ہیں اس لیے حضرت عثمان کے متعلق پہلے جو کچھ لکھا گیا ہے اور اب بھی جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ از روئے معتبر اسناد اور روایات پیش خدمت ہے۔ ان اکابر کی امانت اور دیانت پر آج تک کسی نے بھی شبہ تک نہیں کیا اور اس سے ہمارا مقصد صرف لوگوں کے دلوں سے کدورت کو دور کرنا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب انصار نے خلافت کے متعلق اپنے خصوصی حق کا نعرہ لگایا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اپنے مشہور خطبہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ارشاد فرمایا۔

"ہم کو تمہاری فضیلت کا اقرار ہے مگر سوال اس امر کا ہے کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو حضرت شیخینؓ یا حضرت علیؓ کے برابر سمجھا جائے"

ظاہر ہے کہ اس خطبہ میں حضرت عثمانؓ کا نام نہیں آیا لیکن بعد کے انتخاب واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہؓ کی رائے ایک طرف تھی اس کی بنا پر وہ اپنا خیال بدلنے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی جستجوئے خلافت اس لیے تھی کہ نبی کریمؐ کے نائب کا انتخاب ایک دینی و ملی فریضہ سمجھا جاتا ہے اور ان کے سامنے حضورؐ کی یہ احادیث ان کے دل و دماغ کو ہر وقت گرما رہی تھیں۔

"خدا میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرتا"

"جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے"

یہ دونوں جملے عبداللہ بن عمرؓ کی بیان کردہ حدیث کے ٹکڑے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف کے خلوص کی دلیل یہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران آٹھ سال تک زندہ رہے اور اس عرصہ دراز میں نہ خود کبھی کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ ان کی اولاد عثمانی خلافت سے بہرہ مند ہوئی۔ ان کی یہ تمام تگ و دو کسی لالچ کے بغیر تھی، پاسداری یا اقربا پروری نہ تھی حقیقتاً یہ تمام سعی و کوشش محض خدا کے لیے تھی، چنانچہ جب حضرت عثمانؓ کی خلافت تسلیم کر لی گئی تو انہوں نے کبھی بھی اپنی محنت کو یاد نہیں رکھا حتیٰ کہ اس سلسلہ میں کبھی ذکر تک نہ ہوا۔

جب حضرت عمرؓ نے چھ بزرگوں پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ منتخب کی تو عبدالرحمن بن عوف نے اپنے ذاتی دعوے سے کنارہ کشی کر کے باقی پانچ صحابہ کرام کو اس طرح خطاب فرمایا۔

"اگر تمہاری مرضی ہو تو تم میں سے تمہارے نفع کی خاطر میں ایک شخص کو منتخب کر دوں"

اس پر سب راضی ہو گئے اور کہنے لگے کہ۔

"ہم نے ایسی بات میں آپ کو مختار اور متولی تسلیم کر لیا ہے"

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف متوجہ ہو کر دوبارہ وہی سوال کیا تو انھوں نے ارشاد فرمایا۔

"جب آپ کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطاب سے سرفراز فرمایا ہے تو کیا مجھے آپ کی وکالت پر کوئی شبہ ہو سکتا ہے"

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی کدوکاوش پر محدثین کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔

"حضرت عثمانؓ کی بیعت کے وقت جیسا اتفاق ہوا ایسا اتفاق کسی کی بیعت کے وقت نہ ہوا" (امام احمد بن حنبلؒ)

"انسانی تخیل ہمیشہ ایسے خیالی پلاؤ پکاتا رہا ہے کہ کسی چیز کے ہاتھ آ جانے سے یہ حیرت انگیز کرشمہ سامنے آیا کہ جس شے کو بھی وہ چھو جاتی اسے سونا بنا دیتی۔ اس تصور پر پہلے بڑے افسانے تراشے گئے، محاورے بنے، الف لیلیٰ کو زینت بخشی گئی لیکن یہ سب کے

سب خیال و تصورات تھے اور محض دماغی لذت کے لیے تھے البتہ یہ امر واقع ہے کہ جو شخص بھی ہمارے نبی کریم محمد مصطفے ؐ کی صحبت سے فیض یاب ہوا وہ کندن بن گیا۔

ان کے زمانہ کا ایک واقعہ اب سب کے سامنے ہے وہ لوگ جو حضور کے سخت ترین دشمن تھے اور ان کو اذیت پہنچانے میں سرگرداں رہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوتے ہی ان میں ایسا انقلاب آیا کہ کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ یہ وہی پہلا آدمی ہے واقعی یہ سونا بن گیا اور دنیا نے اس معجزے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا

مولانا حالی فرماتے ہیں :-

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

انہی بزرگوں میں ایک بزرگ حضرت عثمان غنی رضؓ بھی تھے۔

قرآن حکیم میں قریش کی تجارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ کہ وہ اس غرض سے ملک یمن اور ملک شام میں جایا کرتے تھے حضرت عثمان غنی رضؓ بھی انہی تاجروں میں سے تھے اور وہ اس سیاحت اور سفروں کے دوران میں ایک بیدار مغز سیاح شمار ہوتے تھے۔

جب قرآن مجید میں مناظر قدرت یعنی ہواؤں کا اپنے اوقات پر چلنا ان کا بادلوں کو ادھر ادھر دھکیل کرلے جانا، پانی برسانا اور کھیتوں کا لہلہانا اور آسمانوں پر چاند سورج اور ستاروں کا اپنے اپنے محور میں گھومنا اور ایک دوسرے سے نہ ٹکرانا وغیرہ کی آیات اتریں تو صحابہ کرام میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی لیکن ان میں سب سے زیادہ اثر حضرت عثمان غنی رضؓ کے دل و دماغ پر ہوا۔ آپ نے فلکیات اور ہواؤں کے علوم کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ وہ اس زمانہ کے سب سے بڑے سائنسدان تھے۔

جس وقت حضرت عثمان غنی رضؓ کے دور خلافت میں بحری بیڑا تیار ہوا تو حضرت عثمان غنی رضؓ کا یہی علم بحریے کو ان ثابت ہوا جو نہ رہتا کے ایک بہت بڑے و پرانے بیڑے پر فوقیت حاصل کر گیا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ صحرا اور سمندر میں راستے نہیں ہوتے کبھی بار ایسا ہوا ہے کہ ذرا سی غلطی سے مسافر کہیں سے کہیں جا پہنچے حضرت عثمان غنی رضؓ ہواؤں کا اتنا علم جانتے تھے کہ وہ باد سموم چلنے یا آندھی آنے کی پیشگوئی کر سکتے تھے اور جانتے تھے کہ کس رخ کی ہوائیں ان کے سفر کے لیے مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضؓ ستاروں کی گردش سے یہ جانتے تھے کہ وہ کس سمت میں جا رہے ہیں۔ کتنی منزل طے ہو چکی ہے اور کتنی باقی ہے جس کارواں کی قیادت حضرت عثمان غنی رضؓ خود کرتے تھے یہ ناممکن تھا کہ اسے حادثہ پیش آجائے۔ اسی طرح بحری بیڑا تیار ہو جانے پر حضرت عثمان غنی رضؓ سمت (رخ) کی اہمیت کو سمجھتے تھے انہوں نے خود اپنے آدمیوں کو سکھایا پڑھایا اور اس طرح بحیرۂ روم کے کئی جزیروں شمالی ساحل افریقہ اور جنوبی ساحل یورپ پر اپنا تسلط جما لیا جس سے اسلامی سلطنت (۱) بیرونی خطرات سے محفوظ ہو گئی۔

۲- ہسپانیہ اور دیگر ملکوں کو قبضہ میں لانے کے لیے زمین ہموار ہو گئی۔

۳- بحیرہ روم کے شمالی اور جنوبی ساحلوں پر جا بجا بندرگاہیں اور نئے نئے شہر آباد کر کے وہاں جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے گئے۔

۴- ان نئے شہروں میں قابل محنتی اور دیندار عرب باشندوں کو بسایا گیا جن کی وجہ سے سائنس اور تجارت کو ہر قسم کی تقویت پہنچی بزرگوں کا احترام کرنا نہ صرف ایک دینی تقدس کا تقاضا ہے بلکہ یہ فریضہ قومی سالمیت اور زندہ لوگوں کے آپس کے تعلقات کے لیے از بس ضروری ہے۔

خلفائے راشدین کے پاکیزہ حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بزرگ میں کچھ خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں اور نبی کریم ؐ کے سوا ان کا کوئی اور ثانی نہ تھا۔

ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ کی ان چند خوبیوں کو قارئین کے سامنے پیش کر دیں جن میں وہ یکتائے زمانہ تھے یہ اس لیے کہ ان کی شہادت کے بعد ملت میں ایک سکتہ جیسا طاری ہو گیا اور اس دوران میں قوم کو طرح طرح کے مظالم برداشت کرنا پڑے۔

انسانی تاریخ میں یہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ کسی ایک شخص کی موت و شہادت پر ساری کی ساری قوم کو اتنا دکھ پہنچا ہو جتنا کہ حضرت عثمان کی شہادت پر۔ یہ عشق عثمان تھا جس کی وجہ سے یہ دکھ دیوانگی کی حد تک جا پہنچا تھا اور ہزاروں نہیں لاکھوں افراد جن میں صحابہ کرام ؓ بھی شامل تھے آپس میں کٹ مرے یا دنیا سے بیزار ہو گئے۔ اس وقت سے لے کر آج تک جمعیت اسلام صحیح معنوں میں کبھی قائم نہ ہوئی۔

ان کی بیعت خلافت کے وقت بھی ان کی ہر دلعزیزی روز روشن کی طرح عیاں ہوئی۔ عبدالرحمان بن عوف فرماتے ہیں کہ انہوں نے استصواب رائے کے لیے صرف مدینہ کے احباب سے ہی گفتگو اور مشورہ پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان دنوں اتفاق سے پانچ صوبوں کے گورنر اور کئی رؤسا بھی مدینہ میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ سب کے سب حضرت عثمان غنی رضؓ کے حق میں تھے۔

یہ بات سب کے سامنے آچکی ہے کہ نبی کریم ؐ کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ ان کی تعلیمات سے ایسے اشخاص پیدا ہوتے جن کی امانت، دیانت، صداقت اور لیاقت میں کسی کو کبھی بھی شبہ نہیں ہوا ان سب کا حضرت عثمان رضؓ کے حق میں ووٹ دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ منہاج السنہ میں ہے کہ :

"حضرت عثمان رضؓ کی بیعت کے وقت جیسا اتفاق ہوا ویسا اتفاق کسی اور کی بیعت کے وقت نہ ہوا۔"

جمعہ کے خطبہ میں امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کامل الحیاء والایمان کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے آپ میں شرم و حیا اس قدر تھا کہ غسل خانہ میں بھی چادر باندھ کر نہایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسند پر صحابہ کرام رضؓ سے بے تکلف باتیں کر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تشریف لے آئے آپ اپنی اسی حالت میں لیٹے رہے اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ اور دیگر اکابر بھی تشریف لے آئے تو نبی کریم ؐ اسی انداز میں بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے لیکن جب حضرت عثمان رضؓ موقع پر تشریف لائے تو آپ نے اپنی تہبند کو سیدھا کیا، ٹخنوں تک جسم کو ڈھانپ لیا اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "عثمان رضؓ سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں، میں کیوں نہ کروں۔"

سیدنا عثمان غنی رضؓ نے حرم محترم کو وسعت دینے کے بعد چبوترے بنوائے اور عمارت میں جدت پیدا کر دی۔ یہ کام ربیع الاول ۲۹ھ میں شروع ہوا اور دس ماہ میں ختم ہو گیا۔ مسجد میں روزہ داروں کے لیے کھانے کا انتظام کیا جس سے مسجدوں کی رونق میں بہت اضافہ ہو گیا۔ ان کے عہد خلافت میں جب پہلی بار قرآن کی قرأت کا سوال پیدا ہوا تو انہوں نے حضرت حفصہ رضؓ سے مجموعہ منگوا کر ایک بورڈ کی تشکیل کی، جنہوں نے قرآن مجید کو قریش کی زبان میں لکھا۔ پھر اس کے بعد چند نسخے نقل کر لیے گئے۔ اور ہر صوبے کے گورنر کے پاس ایک ایک نسخہ محفوظ کر دیا گیا۔ انہیں رعایا کا اتنا خیال تھا کہ خطبہ کے وقت بھی لوگوں کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے۔

عام انتظامات

بحری فوج کی تنظیم کا کام ان ہی کے عہد میں ہوا اس سلسلہ میں ایک بندرگاہ کی ضرورت تھی چنانچہ امیر المومنین خود ساحل کے ساتھ ساتھ دور تک گئے اور پھرتے پھراتے مناسب مقام کا جائزہ لیتے رہے بالآخر انہوں نے ایک جگہ بندرگاہ کے لیے تجویز کی جس کا نام جدہ رکھا گیا اور ساحل کے ساتھ ساتھ انہوں نے کثرت سے دیہات بنوائے اور وہاں فوجیوں اور ریے گھر ہونے والے لوگوں کو آباد کیا۔

تاجروں کی مشکلات کے پیش نظر کوفہ میں مہمان خانہ تعمیر کرایا۔ ولید، حضرت عثمان غنی رضؓ کے سوتیلے بھائی تھے۔ ان کا شراب پینے کا جرم ثابت ہو گیا تو انہوں نے حضرت علی رضؓ کو حکم دیا کہ "ولید کو اسی ۸۰ کوڑے لگائے جائیں۔"

حضرت عثمان رضؓ نے یہ احکام جاری کیے کہ جو لونڈی کوئی پیشہ نہ جانتی ہو۔ اور غلام کمسن ہو ان کو روپیہ کمانے کی تکلیف نہ دی جائے اور نہ ہی وہ ناجائز طریقے سے روزی پیدا کریں اور ان کو شاہی لنگر سے کھانا دیا جائے انہوں نے کئی لڑکے خود خرید کے اور انہیں لکھنا پڑھنا سکھا کر اچھے کاموں پر لگا دیا۔

ان کے عہد خلافت میں اشعث بن قیس رضؓ نے آذربائیجان فتح کیا تو حضرت عثمان غنی رضؓ نے انہیں وہاں کا گورنر مقرر کر دیا اور اس علاقے میں کچھ عرب بھی آباد کر دیئے۔ بعد میں جب حضرت علی رضؓ خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے دوبارہ حضرت اشعث رضؓ بن قیس کو آذربائیجان کا گورنر مقرر کیا اس اثنا میں اکثر لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید سے بھی فیضیاب ہو چکے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضؓ کے شرم و حیا کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ان کے اپنے الفاظ درج کر کے یوں ترجمہ کیا ہے۔

"میں تاریک گھر میں بھی نہاتا ہوں تو شرم سے پیچ و تاب کھاتا رہتا ہوں اور یہ حیا اس حیا سے مختلف ہے جو مقامات نفس سے ہے یہ حیا خدا کی عزت اور جلال کے دیکھنے سے اور اس کا خیال کرنے سے کہ اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہوں اور انسانی گندگی کے ساتھ ملوث ہوں، پیدا ہوتی ہے۔"

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت

ان کے ایمان اور استقامت کا یہ حال تھا کہ شہادت کے وقت ذرا سی جنبش بھی نہیں کی۔ کسی کو مداخلت کرنے کا حکم نہیں دیا قرآن مجید کو اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا جس کی وجہ سے قرآن پاک شہادت کے وقت خون سے شرابور ہو گیا۔

یہ قرآن مجید سلطنت عثمانیہ کے دارالحکومت قسطنطنیہ (استنبول) کی لائبریری میں محفوظ ہے اس کا فوٹو اب لاہور میں بھی موجود ہے۔

مولانا روم اور اسلامی تعلیمات

وحید احمد طالب علم ایم اے اقتصادیات لاہور

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کے لیے اس کی اپنی قوم سے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجا تاکہ وہ ان لوگوں کو جو گمراہی اور ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکے ہوئے ہیں یا جنہوں نے راہِ ہدایت کی بجائے گمراہی کا راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ انہیں عذاب الٰہی سے ڈرائے اور کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک رکھنے کے لیے ان تک پیغام الٰہی پہنچائے۔ انھیں صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دے تاکہ یہ بھٹکے ہوئے لوگ سوء السبیل کو چھوڑ کر سبیل الرشاد کی طرف قدم بڑھائیں۔ ظلمت کو چھوڑ کر نورِ ہدایت طلب کریں اور انھیں کھرے کھوٹے، نیک و بد، سیاہ و سفید میں فرق دکھائی دینے لگے وہ خسارہ جو انہوں نے اپنی خواہشات کے لیے خود خرید رکھا ہے اور جس خسارہ کے نتائج سے وہ لوگ واقف نہیں چونکہ ان کے دل کفر و شرک کی گندگی سے آلودہ ہیں اور وہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس طرح کہ انہیں کچھ نہیں سوجھتا کہ وہ کس طرف چلے جا رہے ہیں انھیں پیغمبر بچا سکیں اور راہ مستقیم کی طرف دعوت دیں جس پر چل کر انسان دنیوی اور اخروی زندگی میں کامیاب ہو سکے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور ہم پیغمبروں کو اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ مومنوں کو خوشخبری دیں اور کافروں کو عذاب سے ڈرائیں۔ اور کافر لوگ جھوٹی باتیں بنا کر سچ کو مٹا دینے کے لیے جھگڑا کرتے ہیں اور ان لوگوں نے ہماری آیات کو اور ہمارے ڈرانے کو مذاق بنا لیا ہے" (سورۂ کہف)

اس طرح سورۂ ابراہیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ
لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ
مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

"اور ہم نے تمام (پہلے) پیغمبروں کو (بھی) ان ہی کی قومی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ ان سے (احکام الٰہیہ) کو بیان کریں۔ پھر جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہی (سب امور پر) غالب ہے اور (بڑی) حکمت والا ہے۔"

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس قرآنی مضمون کو کس خوبی سے اپنے اس شعر میں سمیٹتے ہیں۔ ؎

تا بر آمد آفتاب انبیاء
گفت اے غش دور شو، صافی بیا

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی جب آگ نے اپنے اردگرد کی تمام چیزوں کو روشن کر دیا تو پروانے اور وہ کیڑے مکوڑے جو آگ میں آ گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو روکنے لگا مگر وہ اس پر غالب آ جاتے ہیں اور پھر جا گھستے ہیں پس اسی طرح میں تم کو دوزخ سے روکتا ہوں اور تم گھسے چلے جاتے ہو۔ (مشکوٰۃ)

اسی حدیث کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے خوبصورت پیرائے میں اپنے اشعار کی لڑیوں میں پرو دیا ہے:

من نشستہ بر کنار آتشے
بر فروغ و شعلہ بس ناخوشے
ہمچو پروانہ شما آں سو دواں
ہر دو دست من شدہ پروانہ راں

یعنی میری مثال ایسی ہے کہ گویا میں آگ کے کنارے بیٹھا ہوں جو بڑی چمک اور بھیانک شعلہ والی ہے مگر تم پروانہ کی طرح (اس آگ کی طرف) کودے جاتے ہو اور میرے دونوں ہاتھ (تم) پروانوں کو ہٹا رہے ہیں۔

انسان کی رشد و ہدایت کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مختلف انبیاء کرام پر کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے اور آخر میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا جو مکمل ضابطۂ حیات کی شکل میں عطا کیا گیا تاکہ لوگ اس پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی زندگی سنوار سکیں۔ اور فوز و کامرانی کی منزل کو پا سکیں اس کتاب کی قدر و منزلت کا اندازہ اس آیت کریمہ سے بھی ہوتا ہے

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ
خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (حشر)

کہ اگر ہم قرآن مجید کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے جھک جاتا۔ اور پھٹ جاتا۔

مولانا روم نے اسی آیۃ الٰہیہ کو کس خوبی سے اپنے اس شعر میں ڈھالا ہے کہ نفس مضمون جوں کا توں اپنی جگہ موجود ہے۔

کہ لو انزلنا کتاباً للجبل
لانصدع ثم انقطع ثم ارتحل

کہ اگر ہم کتاب (قرآن مجید) کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ پھٹ جاتا (اللہ کے خوف کے مارے) اور پھر ٹوٹ جاتا اور پھر اپنی جگہ چھوڑ دیتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رضاء الٰہی اور اس کی عنایت کے بغیر راہِ نجات جاننا اور صراطِ مستقیم پر چلنا ناممکن بات ہے انبیاء کرام کا کام صرف لوگوں تک پیغام حق پہنچانا ہے ہدایت دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے جیسا کہ سورۂ کہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور آپ کہہ دیجیے کہ (یہ دین) حق تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے سو جس کا جی چاہے ایمان لے آوے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ہدایت و گمراہی دونوں صاف صاف ظاہر کر دی ہیں سو جو شخص ہدایت کا راستہ اختیار کرنا چاہے۔ وہ اس کے لیے ہر دم کھلا ہے اور جو گمراہی کا راستہ اختیار کرنا چاہے حالانکہ وہ ہدایت کے رستے کو جانتا بھی ہے لیکن پھر بھی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے گمراہی کا رستہ اختیار کر رہا ہے تو پھر یہ اس کی اپنی خطا ہے ایک بات اور وضاحت کر دیں کہ کسی شخص کے گمراہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کی اپنی مرضی نہیں ہوتی کہ فلاں شخص گمراہ ہی رہے اور راہِ ہدایت پر نہ آئے بلکہ اللہ تعالیٰ ہدایت اس شخص کو عطا فرماتے ہیں جو راہ ہدایت کا طالب ہو۔ جس کے دل میں تلاشِ حق کی جستجو ہو پھر اسی شخص کو نورِ ایمانی بھی میسر آتا ہے۔ جو شخص ہدایت نہ لینا چاہے پھر اس کو ہدایت نہیں ملتی مثل مشہور ہے کہ روئے بغیر تو ماں بھی بچہ کو دودھ نہیں دیتی۔ مولانا رومؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

تا نگرید ابر کے خندد چمن   تا نگرید طفل کے جوشد لبن

یعنی جب تک بادل (اپنی بوندوں کے) آنسو نہ بہائے۔ چمن میں کب ترو تازگی پیدا ہوتی ہے جب تک بچہ روئے نہ ماں کے پستانوں میں کب دودھ جوش مارتا ہے۔

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج
بندہ کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگراں اور (اقبالؒ)

فی الحقیقت یہ چند روزہ دنیاوی زندگی آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ مومن کے لیے یہ زندگی فی الحقیقت تکالیف و مصائب اور امتحانات سے گھری ہوئی ہے جو اس نے راہِ حق کے لیے برداشت کرنے ہیں تاکہ وہ آخرت کی ابدالآباد کی زندگی میں سرخرو ہو سکے اور اپنی تکالیف و مصائب کا ثمرہ اپنے مالک سے حاصل کر سکے جیسا کہ خود حضورؐ نے فرمایا۔

اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے گویا دار العمل ہے جو آج بوئیں گے کل وہی کاٹیں گے — ان مصائب کی دنیا کے پردے میں درحقیقت کامیابیاں اور مسرتیں پنہاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مولانا رومؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

آں بہاراں مضمرست اندر خزاں
پر بہارست ایں خزاں مگریزاں

یعنی وہ تمام بہاریں خزاں (تکالیف) میں چھپی ہوئی ہیں۔ دراصل یہ خزاں پُر بہار ہے اس سے گریز نہ کرو اور ہر قسم کی تکلیف و مصیبت جو راہِ حق کے لیے برداشت کرنی پڑے۔ اس کو خوشی سے برداشت کرو کہ اس کا نتیجہ بہت ہی عمدہ اور احسن ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔

"جنت ہماری تکالیف سے گھری ہوئی ہے۔ اور دوزخ خواہشات بد سے۔" (بخاری و مسلم)

جس نے نیکی کی اس کا انجام کار جنت اور جس نے یہاں

شہوات اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا:۔ حفت الجنۃ بمکروھاتنا

حفت النیران من شھواتنا (روم)

پھر خداوند تعالیٰ اس دنیاوی زندگی کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:۔ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ

الْحَيَوَانُ ۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (عنکبوت)

اور یہ دنیاوی زندگی محض کھیل اور تماشا کے سوا کیا ہے (فی الحقیقت) زندگی تو بس آخرت کی ہوگی کاش! (یہ) لوگ جان لیتے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:۔ اور تم جان لو کہ یہ چند روزہ زندگی صرف کھیل (تماشہ) دکھاوے، بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے اور مال و اولاد کی کثرت میں الجھے رہنے کا نام ہے اور بس۔

حق تعالیٰ گفت ایں کسب جہاں
پیش آں کسب ست لعب کودکاں (روم)

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ (سچ) فرمایا ہے کہ دنیا کی یہ کمائی اس کمائی کے مقابلہ میں بچوں کا کھیل ہے۔

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ
وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلٌ (لبید)

دیکھو! ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سوا باطل ہے اور ہر نعمت (دنیا) ضرور زائل ہونے والی ہے۔

اس دنیائے فانی میں جس نے جو کچھ کیا ہوگا ویسا ہی اس کو آخرت میں پالے گا۔ نیکی کا بدلہ نیکی اور برائی کا بدلہ برائی۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۔ انسان کے لئے کچھ نہیں صرف اس کی اپنی محنت ہے۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ

نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کیا ہے دیکھیے مولانا نے اس مضمون کو کس طرح باندھا ہے۔

چیست احساں را مکافات پسر
لطف و احسان و ثواب معتبر

عزیز من! احسان کا بدلہ کیا ہے۔ مہربانی، احسان اور مناسب اجر اور پھر یہ کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔

کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

مولانا نے دیکھیے کس خوبی سے اس مضمون کو بیان کیا ہے۔

ہیچ وازر وزر غیرے بر نداشت
ہیچ کس ندادو تا چیزے کاشت

یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسروں کا بوجھ نہیں اٹھاتا کوئی شخص تاوقتیکہ کچھ بوتا نہیں کچھ نہیں کاٹتا۔

اس دنیاوی زندگی کی خاطر انسان جگہ جگہ مارا پھرتا ہے اسے اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرتے وقت جائز و ناجائز، حلال و حرام میں بھی تمیز نہیں رہتی وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ دنیاوی زندگی چند روزہ ہے اور وہ مال و اسباب جو وہ اکٹھا کرنے کی دھن میں ہے بالآخر ایک دن یہیں کا یہیں دھرا رہ جائے گا۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا تھا؎

مدتے در طلب مال جہاں کردم سعی
تا بآخر خبرم شد کہ ز نفعش ضرر ست

یعنی میں نے دنیا کے مال و اسباب کی طلب میں مدت تک کوشش کی۔ آخر مجھے خبر ہوئی کہ اس کا نفع در حقیقت نقصان ہے۔ اور پھر اس دنیاوی مال و اسباب کی دھن میں وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ محض محنت ہی سب کچھ نہیں۔ اس پر رزق کا دار و مدار نہیں ہے اس قادر مطلق کا فضل و مہربانی بھی کوئی چیز ہے جس نے یہ تمام کائنات پیدا کی اور جس میں بے شمار مخلوق جنم لیے ہوئے ہے اور جس کا رزق صرف اور صرف اس رب ذوالجلال کے ہاتھ میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ۔ اور زمین میں کوئی جاندار چیز ایسی نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہ ہو۔ پس وہی جس کے رزق میں چاہتا ہے کشادگی کر دیتا ہے اور جس کے رزق میں چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے۔

انسان کی پست خیالی کی مذمت کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فی السماء رزقکم بشنیدۂ
اندریں پستی چہ برچفسیدۂ

کہ جب تو نے فی السماء رزقکم کا ارشاد سن لیا اور پھر اسی پستی میں کیوں چمٹ رہے ہو۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ
ویرزقہ من حیث لا یحتسب (حافظ)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے لیے وہ نجات کا سامان مہیا کر دیتا ہے اور وہ اسے وہاں سے رزق بخشتا ہے کہ جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو۔

بسا اوقات آدمی اپنے رب سے دعا کرتا ہے مگر وہ بروقت قبول نہیں ہوتی تو وہ مایوس اور غمزدہ ہو جاتا ہے حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ جو دعا اس نے مانگی ہے اس کے اثرات و نتائج کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اور علم کامل کی بنا پر اس کی یہ دعا جس سے اسے مستقبل میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو قبول نہیں فرماتا۔ یا بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس دعا کو ایسے موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں جو مستقبل میں اس کے لیے بہتر ہو۔ اس لیے انسان کو اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کہ وہ قادر مطلق اور عالم الغیب ہے وہی جانتا ہے کہ کونسی بات کس آدمی کے لیے کس وقت میں بھلی ہے اور کونسی بات اس کے لیے موجب نقصان یا باعث خسارہ ہے مولانا روم فرماتے ہیں۔

پس دعا ہا کاں زیانست و ہلاک
وز کرم مے نشنود یزداں پاک

یعنی تیری بہت سی دعائیں (باعث) نقصان اور ہلاکت ہوتی ہیں لیکن خداوند تعالیٰ (محض) اپنے کرم سے ان کو نہیں سنتا (قبول نہیں کرتا) تاکہ بندہ خسارہ اور نقصان سے بچ جائے۔

مصلح ست و مصلحت را داند او
کاں دعا را باز میگرداند او

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ بہتری کرنے والا ہے اور مصلحت کو جانتا ہے جو اس دعا کو لوٹا دیتا ہے۔ حافظ شیرازی نے بھی کیا خوب کہا ہے؎

خدا زاہد کہ حافظ را غرض چیست
وعلم اللہ حسبی من سؤالی (حافظ)

کلام الٰہی دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کے لیے تلقین کرتا ہے

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ
حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی نیکی اور آخرت میں بھی نیکی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

مولانا روم نے اس آیۃ کریمہ کا ترجمہ کس بھلے انداز میں کیا ہے

آتنا فی دار دنیا نا حسن
آتنا فی دار عقبیٰ نا حسن

الٰہی ہم کو دنیا کے گھر میں بھی اور آخرت کے گھر میں بھی بھلائی عطا فرما۔

مومن بھی خدا کو مانتے ہیں اور مشرکین بھی خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ان دونوں کے ماننے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کو تمام تر شرک سے پاک مانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ وہ واحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے کارخانۂ قدرت میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے صرف اور صرف اسی کا ہے جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اس کی خدائی میں اور کوئی دوسرا شریک نہیں۔ نہ تو اس کے کوئی اولاد ہے اور نہ وہ مولود ہے۔ تمام کائنات اس کی ہے اور وہی اس کا مالک ہے۔

لم یلد و لم یولد او لائق است
والد و مولود را او خالق است (روم)

اس کی تو یہ شان ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا بلکہ وہ تو خود والد و مولود کا پیدا کرنے والا ہے اس کی قدرت کے آگے تمام بارگاہ عالم کی مخلوق عاجز و بےبس ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ؛ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جب وہ کسی کو نقصان پہنچاتا ہے تو اس کا کوئی ہاتھ روکنے والا نہیں ہے اور جب وہ کسی کو نفع پہنچانا چاہتا ہے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔ وہ مالک الملک ہے۔

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖ اَحَدًا (الکہف)

اور نہ وہ (اللہ تعالیٰ) کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

پیش قدرت خلق جملہ بارگہ
عاجزاں چوں پیش سوزن کارگہ

کہ خدا کی قدرت کے آگے تو تمام (بارگہ عالم) کی مخلوق اس طرح عاجز اور بےبس ہے جیسے سوئی کے آگے کشیدہ کاڑھنے کا پارچہ۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں؎

دست نے تا دست جنباند بدفع
نطق نے تا دم زند از ضر و نفع

کہ کوئی طاقت نہیں جو (اس کو) روکنے کے لیے ہاتھ اٹھائے کوئی گفتار نہیں جو اس کے (پہنچائے ہوئے) نفع نقصان پر دم مارے۔

اس کے برعکس مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ سینکڑوں بتوں اور دیوتاؤں کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ یا وہ خدا کی خدائی میں ان کو بھی حصہ دار تسلیم کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں ان سے بھی اگر خدا کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ بھی خدا کا وجود تسلیم کریں گے جیسا کہ سورہ مومنون میں ارشاد ربانی ہے۔ "آپ کہہ دیجیے (ان مشرکین سے) کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کے ہیں اگر تم کو

(باقی صفحہ آخر پر)

بچوں کا صفحہ

اسلامی تہذیب

عبدالرؤف — اسلام آباد

اس سے پہلے کہ ہم تمہیں اسلامی تہذیب کا مطلب سمجھائیں، صرف لفظ تہذیب کے معنی بتانا چاہتے ہیں اور یہ بھی کہ آج کل تہذیب سے کیا مراد لی جاتی ہے۔ اس لفظ کے معنی بہت وسیع ہیں اور اسے بہت سے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے لغت کی رو سے اس کے معنی ہیں پاک کرنا، درست کرنا، اپنے اخلاق کو اچھا بنانا، تعلیم اور تربیت حاصل کرنے کو بھی تہذیب کہا جاتا ہے مگر اصطلاحی معنوں میں تہذیب سے مراد کسی معاشرے اور قوم کے وہ رسم و رواج اور وہ اصول اور ضابطے ہیں جو ان میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں اور ان کا امتیازی نشان شمار ہوتے ہیں۔ تہذیب کسی قوم کی عام زندگی اور اس کے حسن و جمال کا نام ہوتا ہے جس سے اس قوم کی مجموعی زندگی کا نقشہ ابھر کر سامنے آتا ہے تہذیب کا لفظ اچھے معنوں ہی میں استعمال کیا جاتا رہا ہے، مگر آج کل کسی قوم کی تمام خوبیوں اور برائیوں کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا ہے جسے عام طور پر ثقافت اور کلچر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ حالانکہ تہذیب میں صرف کسی قوم کی خوبیاں، اچھے اعمال اور نیک صفات ہی شامل ہونی چاہئیں، اور اخلاق سے گرے ہوئے عملوں اور ناپسندیدہ عادتوں کو بد تہذیبی میں شمار کیا جانا چاہیے۔

اسلامی تہذیب سے مراد وہی پہلے معنی ہیں۔ اس میں دینی رنگ غالب ہے۔ اسلامی تہذیب، لوگوں کو دین اسلام کا پابند بناتی ہے اور اس سے مراد زندگی کا وہ دستور ہے جو قرآن اور حدیث کے ذریعے مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔

اسلامی تہذیب مسلمان کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے ایک اس کا اپنے خالق حقیقی کے ساتھ تعلق اور دوسرے اس کا مخلوق خدا کے ساتھ تعلق۔ پہلے حصے کو حقوق اللہ کہا جاتا ہے جس میں عبادات آتی ہیں اور دوسرے حصے کو حقوق العباد کہا جاتا ہے جس میں بندوں کے ساتھ معاملات، اور اچھے اخلاق آتے ہیں۔ ان دونوں کے مجموعے کو اسلامی تہذیب کہا جاتا ہے جو کام ان دونوں کے خلاف ہوں وہ اسلامی تہذیب میں شمار نہیں کیے جاتے موجودہ دور میں تہذیب کے معنوں میں اتنی لچک پیدا کر دی گئی ہے کہ کسی قوم کی مذہبی عبادات اور رسومات سے لے کر ناچ گانے اور ذلیل سے ذلیل حرکتوں اور رسم و رواج کو بھی تہذیب کہہ دیا جاتا ہے بلکہ بعض لوگ تو مذہب کو تہذیب ہی کے خلاف خیال کرتے ہیں۔ مگر اسلامی تہذیب کی بنیاد تو دین اسلام پر ہے۔ دین سے مراد دستور حیات ہے جس میں عبادات اور معاملات سب شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ اس لیے جو کام بھی دین اسلام کے قاعدوں اور ضابطوں کے خلاف ہوگا وہ اسلامی تہذیب سے خارج ہوگا۔ لہٰذا اسلامی تہذیب اور غیر اسلامی تہذیب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسلامی تہذیب بندے اور خالق کا تعلق قائم کرتی اور اسے مضبوط بناتی ہے اس تعلق کے مضبوط ہونے سے انسان جہالت کے اندھیروں سے نکل کر صحیح علم کی روشنی میں آ جاتا ہے اسے اچھے طریقے سے زندگی گزارنے کی ہدایت ملتی ہے نیکی کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ اس کے اخلاق اچھے ہو جاتے ہیں اور وہ صحیح معنوں میں "انسان" بن جاتا ہے اس کا عام لوگوں کے ساتھ بھی تعلق اچھا ہوتا ہے۔ وہ ہر ایک کے حقوق ادا کرتا ہے کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا اور زندگی کے ان معاملات میں وہ افراط اور تفریط سے بچتا ہے اس کی زندگی میں توازن ہوتا ہے اس طرح اس کی دنیا کی زندگی خوشگوار بن جاتی ہے اور آخرت کی زندگی کے لیے بھی وہ سرمایہ جمع کر لیتا ہے جس سے اس کو مرنے کے بعد زندگی بھی راحت والی زندگی ہوگی، وہ دوزخ کے عذاب سے بچ جائے گا۔ اور جنت کی نعمتوں کا وارث ہوگا۔ جنت کی زندگی کے متعلق قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ اس میں نہ بھوک ہوگی نہ پیاس، نہ کوئی ننگا ہوگا اور نہ بے مکان۔ ایسے ہی مسلمان کی دنیا کی زندگی ہوگی۔ زندگی کی سب ضرورتیں اسے حاصل ہوں گی۔ یہ اسلامی تہذیب کا پھل ہے۔ اسلامی تہذیب میں روح اور جسم کے سب تقاضے پورے ہوتے ہیں اس میں روحانی اور جسمانی پرورش کا مکمل نظام موجود ہے اور اس میں توازن بھی پایا جاتا ہے۔ دوسری تہذیبوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

اب ہم اسلامی تہذیب کی چند نمایاں خوبیاں بیان کرتے ہیں تاکہ تم انہیں اچھی طرح سمجھ لو، ان پر عمل کرو اور اچھے انسان اور مسلمان بنو اور دوسرے لوگوں کو بھی ایسا ہی بناؤ تاکہ دنیا میں امن قائم ہو جائے۔

(۱) اسلامی تہذیب جسم اور روح کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور ان میں توازن اور اعتدال قائم کرتی ہے مگر غیر اسلامی تہذیبیں صرف جسمانی اور نفسانی تقاضوں کو پورا کرتی ہیں اور ان میں روحانی تقاضوں کا ذکر ہوتا ہے تو وہ بھی نفسانی خواہشات کے تحت اور محض رسم کے طور پر۔ اس میں اعتدال نہیں ہوتا اس لیے روح کو کوئی تسکین نہیں ملتی اور نہ دل کا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

(۲) اسلامی تہذیب دنیا اور آخرت کی دو زندگیوں کا تصور پیش کرتی ہے اور دونوں کی خوشگواری کے لیے دستور دیتی ہے چونکہ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے اور وہ دنیا کی زندگی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اس لیے اسلامی تہذیب میں دنیا پر آخرت کی زندگی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن غیر اسلامی تہذیبوں میں عموماً اُخروی زندگی کا انکار کیا جاتا ہے یا اسے ترجیح نہیں دی جاتی۔ اس لیے ان کے ہاں صرف دنیا کی زندگی کے فائدے ہی پیش نظر ہوتے ہیں ان کے ہاں عملوں کے حساب کا کوئی تصور نہیں ہے اسلامی تہذیب میں محاسبے پر بڑا زور دیا گیا ہے اور سب سے بڑا محاسبہ قیامت کے دن ہوگا جسے یوم الحساب کہتے ہیں۔

(۳) اسلامی تہذیب مساوات کی علمبردار ہے سب انسان برابر ہیں البتہ ترجیح اسے دی جاتی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو۔ مال و دولت، رنگ، نسل وغیرہ فضیلت کا معیار نہیں ہیں۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے مکرم و محترم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔

(۴) اسلامی تہذیب ہر فرد کو پورا ضابطہ حیات دیتی ہے زندگی گزارنے کے اصول اور قاعدے بتاتی ہے یہاں ہر کام کو عبادت شمار کیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ غیر اسلامی تہذیب [illegible] آزاد چھوڑ دیتی ہے اور وہ بے راہ روی کی زندگی بسر کرتا ہے۔

(۵) اسلامی تہذیب خالق اور مخلوق کے تعلقات کو بہت اہمیت دیتی ہے بلکہ اللہ کے تعلق پر زیادہ زور دیتی ہے کیونکہ اسی تعلق پر مخلوق کے ساتھ تعلقات کی درستی کا انحصار ہے اسی لیے اسلامی تہذیب میں نماز اور زکوٰۃ کی بڑی تاکید کی گئی ہے اسلامی تہذیب کا خلاصہ یہ ہے کہ خالق کو عبادت سے اور بندوں کو خدمت سے راضی کرنا۔ دوسری تہذیبوں میں یہ بات نہیں ہے ان میں عبادت اور خدمت کا صحیح تصور ہی نہیں ہے۔

(۶) اسلامی تہذیب ایثار اور قربانی کی دعوت دیتی ہے خود غرضی سے روکتی ہے۔ عام لوگوں کی بھلائی چاہتی ہے مگر دوسری تہذیبیں مفاد پرست ہیں۔

(۷) اسلامی تہذیب سادگی پسند ہے۔ اور اعتدال پسند بھی ہے فضول خرچی اور کنجوسی سے روکتی ہے دوسری تہذیبوں میں یہ خوبیاں نہیں ہیں۔

(۸) اسلامی تہذیب دولت کی تقسیم کو ہموار کرتی ہے اور دولت کو مالدار طبقے ہی میں بند نہیں رکھتی، پھیلاتی [illegible] بلکہ امیر اور غریب کا فرق ختم کر کے [illegible] میں لاتی ہے۔ دوسری تہذیبیں خواہ وہ سرمایہ دارانہ ہوں یا اشتراکی، اس خوبی سے محروم ہیں۔

(۹) اسلامی تہذیب حق پرستی سکھاتی ہے [illegible] پر زور دیتی ہے برائیوں سے [illegible] ہے اور ہر ستم کے ظلم سے روکتی ہے۔

(۱۰) اسلامی تہذیب اکثریت اور اقلیت [illegible] بلکہ سچائی اور انصاف کو حق کا معیار سمجھتی [illegible] ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سچائی اور انصاف [illegible] پہنچے ہوتے ہیں اسی لیے اسلامی تہذیب میں [illegible] تصور نہیں ہے جس میں سچائی اور انصاف [illegible] اکثریت کو دیکھا جاتا ہے۔

(۱۱) اسلامی تہذیب میں حکمرانی اور فرمانروائی کا [illegible] کو سمجھا جاتا ہے جمہور عوام اللہ کے نائب [illegible] حکموں کے تحت آپس کے مشورے سے کام [illegible] تہذیبوں میں خدا کی حکمرانی نہیں بلکہ عوام کی حکمرانی کا تصور پایا جاتا ہے جو شرک ہے اس لیے اسلام کے سیاسی نظام کو جمہوری نہیں بلکہ شورائی نظام کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں مشورے پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

غرض اسلامی تہذیب کی یہ مختصر خصوصیات [illegible] سے یہ تمام تہذیبوں سے اعلیٰ اور برتر ہے [illegible] انسان کی

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

[illegible] ۱۹۵۰
منظور شدہ [illegible] T. B. C [illegible]
محکمہ تعلیم [illegible]

بقیہ ۔ مولانا رومؒ اور اسلامی تعلیمات

پھر خبر ہے ، تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ہیں تو ان سے کہیے کہ پھر تم کیوں غور نہیں کرتے ۔ اور آپ یہ بھی کہیے کہ اچھا بتلاؤ ان ساتوں آسمانوں کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے ؟ اس کا بھی (وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہے ۔ آپ کہیے کہ پھر تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے ۔ آپ کہیے کہ اچھا وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا ۔ اگر تم کو کچھ خبر ہے (تو جواب دو) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ صفتیں اللہ ہی کی ہیں ۔ پھر (اس وقت) آپ کہیے کہ تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے ۔ (المؤمنون)

غرض خدا کے وجود کو مشرکین بھی مانتے ہیں لیکن ان کے ماننے اور مومن کے ماننے میں بہت فرق ہے ۔

کافر و مومن خدا گویند لیک
درمیان ہر دو فرقے ہست نیک (رومؒ)

کافر اور مومن دونوں خدا کے قائل ہیں مگر دونوں میں بڑا فرق ہے ۔

الدین النصیحۃ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس کے معنی ہیں دین خیر خواہی کا نام ہے اور مسلمان چونکہ دوسرے مومن کے لیے بمنزلہ آئینہ کے ہیں جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا المومن مراۃ المومن ۔ [illegible] جس طرح آئینہ اپنے دیکھنے والے کو اس کے تمام ظاہری نقائص اس کو بتا دیتا ہے اسی طرح مومن کی حیثیت دوسرے مومن کے لیے ایک آئینہ کی ہے اس کے باطنی نقائص اور عیوب اس کو بتاتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرے ۔ مولانا اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

چونکہ مومن آئینہ مومن بود
روئے او ز آلودگی ایمن بود

یعنی جب مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے تو اس (دوسرے مومن) کا چہرہ آلودگی سے پاک ہونا چاہیے ۔

مومن کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اشداء علی الکفار رحماء بینہم

کہ وہ کافروں پر تو بہت سخت ہوتے ہیں اور آپس میں نرمی کرنے والے ہیں ۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

مولانا اسی آیت کی تفسیر کس خوبصورتی سے اپنے اس شعر میں [illegible] کرتے ہیں ۔

رو اشداء علی الکفار باش
خاک بر دلداری اغیار پاش

کافروں پر سخت اور [illegible] کی دلداری پر خاک ڈالو ۔ [illegible] حضرات خود اندازہ لگائیں کہ مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں حکایات کی روشنی میں کس خوبی اور آسانی سے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کی طرف دعوت [illegible]

دی اور [illegible] حق حق پہنچایا ۔ [illegible] حیثیت سے اسلام [illegible] مضمون کی شکل میں آپ کے سامنے [illegible] ہم دعا کرتے ہیں کہ مولانا رومؒ کی شاعری میں اسلامی تعلیمات [illegible] اللہ تعالیٰ آپ کو [illegible] دین [illegible]

بقیہ ۔ اسلامی تہذیب

پوری مطابق ہے اور یہی انسانی فطرت کے مطابق ہے ۔ دوسری تہذیبیں انسانی فطرت کے خلاف ہیں ۔

سچے مسلمان کا فرض منصبی یہ ہے کہ وہ اسلامی تہذیب کو فروغ دے اور دنیا میں سچائی اور انصاف قائم کرے ۔

بقیہ ۔ اشتراکیت اور اسلام

بنیاد روحانیت اور مذہب [illegible] اقوام [illegible] کے بعد ان [illegible] اس کا مفصل ذکر [illegible] کرتے ہیں ۔

(۱) ذاتی اغراض [illegible] (۲) حکومت [illegible] (۳) [illegible] (۴) [illegible] اسلامی اصلاحات [illegible] (۱) اصلاح معاشرت (۲) اصلاح عقائد (۳) اصلاح حکومت (۴) اصلاح اقتصاد [illegible]

اب ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ [illegible] اسلام کی تعلیمات کیا ہیں [illegible]

اسلام نے نسلی و قومی امتیاز مٹا کر تمام مسلمانوں میں ایک عام اسلامی برادری قائم کر دی ہے ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر کوئی قومی یا نسلی امتیاز نہیں ہے ۔ قرآن مجید میں آیا ہے :

یا ایہا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد [illegible] سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قوم اور قبیلے بنایا [illegible]

دوسری آیت یہ ہے :

انما المؤمنون اخوۃ [illegible]

مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔

بقیہ ۔ [illegible]

[illegible]

جہاں [illegible]

[illegible]

جوارش [illegible]
[illegible]
حب زعفران
[illegible]
شیراز دواخانہ

[illegible] پرنٹر [illegible] لاہور سے شائع کیا ۔